بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۵۹ | ۱۰ر جون ۲۰۲۲ء مطابق ۹ر ذیقعدہ ۱۴۴۳ھ | شمارہ نمبر ۱۵

اس شمارے میں

شعروادب		
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر	علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ	۴
اداریہ		
امت مسلمہ کا عالمی مقام اور پیغام	شمس الحق ندوی	۵
ذکرِ رسولؐ		
آبروئے ما زنام مصطفیٰ است	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
تبلیغ واصلاح		
تعلیم وتربیت کے حکیمانہ طریقے	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۰
پاجا سراغِ زندگی		
مقصد کی تعیین اور خودشناسی پر منحصر	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی	۱۲
عشق الٰہی		
خوفِ خدا اور آدابِ حج کا خیال	مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی	۱۴
روح پرور		
ماہِ صیام کے بعد سال کیسے گزاریں	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۱۶
عصر حاضر		
روس اور یوکرین کا موجودہ تنازعہ	مولانا سید عنایت اللہ ندوی	۲۰
یادوں کے چراغ		
مولوی ابوالبقاء ندوی مرحوم	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۲۴
دین رحمت		
حقوقِ نسواں یہودیت اور اسلام.....	تحریر: ڈاکٹر خالد سعد	۲۵
تعارف وتبصرہ		
اقوالِ سلف۔ایک مطالعہ	محمود حسن حسنی ندوی	۲۹
فقہ وفتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406

website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 75$

ڈرافٹ نمبر تعمیرِ حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیرِ حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیرِ حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیرِ حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبا

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہوگئے پانی
مری اکسیر نے شیشے کو بخشی سختیِ خارا

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں ابتک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا

وہ چنگاری خس وخاشاک سے کس طرح دَب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

محبت خویشتن بینی، محبت خویشتن داری
محبت آستان قیصر و کسری سے بے پروا

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہوجائیں
'کہ برفتراک صاحب دولتے بستم سرخود را'

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

☆☆☆☆☆

اداریہ

امتِ مسلمہ کا عالمی مقام اور پیغام

شمس الحق ندوی

جس چیز کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے اور جس کے لیے ان کے اندر غیرت وحمیت ہونا چاہیے اور جس کو وہ اپنی جان سے، صحت سے، اپنی دانائی وہوشمندی سے زیادہ عزیز رکھیں، اور جس کو دولت وحکومت پر ترجیح دیں، اپنی شہرت وناموری کے پروپیگنڈے سے زیادہ اہمیت دیں، وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے دین کا داعی ومبلغ سمجھیں، علمِ توحید کو سربلند اور اللہ کے دین کو سرسبز رکھنے کی آرزو ان کی تمام آرزوؤں پر غالب آجائے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں، اللہ کی رضا اور اس کے احکام کے اجر کو ہر مقصد اور ہر نسبت پر قربان کرنے کا جذبہ ان کے اندر بیدار کریں، ان کے بقاء کی ضمانت اسی میں ہے؛ کیوں کہ ان کا وجود ملی اسی دھاگے سے بندھا ہوا ہے۔

اس کا نمونہ خود آپ کے صحابۂ کرامؓ میں جلوہ گر تھا، آپ کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے والوں میں روم کے گورے صہیبؓ بھی تھے، حبش کے کالے بلالؓ بھی اور فارس کے زرد سلمانؓ بھی، اس لیے کہ آپؐ کی بعثت عالمی تھی، پھر ایک زمانہ کے لیے بھی نہیں؛ قیامت تک انسانیت کی رہنمائی وقیادت کا عالمی رول آپؐ کے ساتھ وابستہ تھا، اور اللہ عزوجل نے آپؐ کی اس عالمگیر دعوت کو آپؐ کی راست بازامت کے ذریعہ جاری وساری رکھا، اسے دوسری امتوں پر گواہ بنایا، اپنے دین کو عالم گیر اور دوسرے ان تمام ادیان کے لیے ناسخ بنایا جو اپنے اپنے محدود علاقوں اور دائروں میں کام انجام دے رہے تھے، یہ دین اپنی آفاقیت اور ہمہ گیریت کی وجہ سے کامل ومکمل دین بن کر آیا، اسے کسی وضاحت کی ضرورت نہ رہی، اللہ تعالی نے اعلان فرمایا: "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً" [مائدہ:۳] (آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا، اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں، اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کیا)۔

اس دین کے اسی کمال نے اس کو سارے عالم کا مقتدا بنایا، اور پوری حیات انسانی کے لیے ایک دستور وقانون کے مقام پر فائز کیا، امتِ مسلمہ پر نعمتِ خداوندی کا اتمام اس بات کی واضح دلالت تھی کہ خدائے عزوجل نے اس امت کو جو مقام بخشا ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس امت کو امتیازی طور پر رفعت وسربلندی اور شرف عطا کیا گیا ہے، اسے دیگر اقوام پر گواہ بنایا گیا ہے۔ دین کا کمال، نعمتِ الٰہی کا اتمام اور اس دین کے ذریعہ رضائے الٰہی کا حصول ان تینوں نے مل کر اس امت کو جو بلندی عطا کی ہے، اور جس منصب پر فائز کیا ہے، وہاں تک کوئی دوسری قوم نہیں پہنچ سکی ہے۔ اسی فضیلت کو محسوس کرکے ایک یہودی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ: 'اگر یہ آیت ہم لوگوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے'۔

خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو جامعِ کمالات بنایا، رسالت کے مختلف پہلو، قیادت کے نوع بہ نوع خصائص اور بلند انسانی اخلاق آپؐ کی ذات میں جمع تھے، آپؐ کی شریعت ہمہ گیر تھی، سیاسی اور فوجی قیادت کی اعلیٰ صلاحیت کے آپؐ حامل تھے، وسیع پیمانہ ایک علمی وفکری بیداری آپؐ نے پیدا کی، انفرادی واجتماعی دونوں اعتبار سے نہایت مضبوط بنیادوں پر آپؐ نے اسلامی زندگی کی تعمیر فرمائی، آپؐ کی ذات سے انسانی تاریخ کے ایک نہایت زریں وروشن باب کا آغاز ہوا، ایسا باب جیسا اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آیا تھا، جہاں دین بھی تھا اور دنیا بھی تھی، اور عمل بھی

تھا، جہاں انسانیت کی خدمت بھی اور حق کا دفاع بھی، تاریخِ انسانی نے اس ذات والا صفات کے ذریعہ جس دور کا آغاز کیا' وہ اس اعتبار سے تاریخ کا بڑا عظیم الشان دور تھا کہ یہ انسان کی دینی، سماجی، فکری اور قائدانہ زندگی پر محیط ہے؛ آپؐ نے فرماں رواؤں کو حکم دیا کہ تواضع اختیار کریں، رعیت کی خدمت کریں، ان کی راحت وآرام اور حاجت روائی کے لیے اپنی نیند قربان کریں، آپؐ نے پابندِ عدل وانصاف فرماں روا کے متعلق فرمایا کہ: وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں سایہ حاصل کرے گا، جس دن اس کے سوا اور سایہ نہ ہوگا، دولت مندوں پر فرض کیا گیا کہ وہ فقراء کی مدد کریں، اپنی بڑی دولت میں سے کچھ فیصدی نکال کر ضرورت مندوں کی حاجت روائی کریں، زکوٰۃ کی واجب شدہ مقدار تو نکالنا ضروری ہے ہی، اس کے علاوہ بھی خود اپنی جانب سے نفلی صدقات بھی کریں، شریعتِ اسلامی نے اس عادلانہ نظام کے ذریعہ انسانوں کے دونوں طبقوں کے درمیان ایک گونہ معاشی اشتراک پیدا کردیا۔

جو کچھ اوپر لکھا گیا' اس کی روشنی میں دور حاضر کے مسلمانوں کو اپنی زندگی اسی سانچہ میں ڈھالنے کی ضرورت ہے، اگر وہ اپنے اس مقام کی قدر کریں اور اس کا عملی نمونہ پیش کریں تو دنیا کی دوسری قومیں جو مایوسی، بے چینی اور قتل و غارت گری کا شکار ہیں' اس عالمی دین کے سائے میں آجائیں۔ ☆☆☆

حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتہ بنا کر نہیں بھیجے گئے، کسی دوسرے عالم کی مخلوق کی حیثیت سے نہیں اتارے گئے، حوائج بشری سے بے نیاز ہوکر نہیں مبعوث ہوئے، انسان بنا کر، بشریت کے تمام اوصاف ولوازم، تمام احتیاجوں اور ضرورتوں کے پابند بنا کر اس ظلمت کدۂ گیتی کو مطلع انوار کرنے کے لیے بھیجے گئے، شادیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیں، ایک نہیں کئی کئی، اولادیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد ہوئیں، بعض زندہ رہیں اور بعض نے حضورؐ کے سامنے وفات پائیں، دوست بھی حضورؐ کے بہت سے تھے اور دشمن بھی تھے، مخلصین کا بھی ایک گروہ تھا اور منافقین کا بھی، عسرت کا بھی زمانہ گزرا اور خوش حالی کا بھی، لڑائیاں بھی بہت سی ہوئیں اور امن کا زمانہ بھی گزرا، محاربات میں کبھی فتح بھی ہوئیں اور کبھی اس کے برعکس، خلقت کے رد وانکار کا بھی تجربہ فرمایا اور مقبولیت ومرجعیت کا بھی۔ غرض انسانی زندگی میں گرم وسرد، نشیب وفراز کے جتنے مواقع پیش آسکتے ہیں، سب سے ہوکر وہ پاک وطاہر زندگی گذری اور اس طرح بے داغ گذری کہ آج محض اس کا مطالعہ سارے عالم کے لیے ایک مستقل درس بن سکتا ہے۔

حبیب کبریاؐ کی حیات مبارکہ کی یہ جامعیت صرف اس لیے تھی کہ ہر فرد بشر اس نمونہ کو اپنے پیش نظر رکھے اور جہاں تک اس کا ظرف وبساط اجازت دے، انھیں کے قدموں کے نقش پر چلے، گلستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، لیکن موسم ربیع کا یہ گلدستہ ایسا ہے جو ہر ملک، ہر زمانہ، ہر قوم کے مشام جاں کو معطر رکھے گا، آج دنیا کی سب سے بڑی شامت یہی ہے کہ اس نے سب سے زیادہ کامل ومکمل نمونہ کی طرف سے قطع نظر کرلی، غیروں کا ذکر نہیں، خود ہم کلمہ گویانِ اسلام کی بدبختی یہی ہے کہ ہم نے آفتاب ہدایت کی طرف سے آنکھیں بند کرکے اپنے تئیں یا تو اندھیرے میں ڈال رکھا ہے اور یا اگر روشنی کی طلب ہے بھی تو ٹمٹماتے ہوئے چراغوں اور لالٹینوں پر قناعت ہے۔

ہم میں سے آج کتنے بدبخت مسلمان ایسے ہیں جو خوبی وکمال کا معیار یورپ کے طور وطریق کو سمجھ رہے ہیں، قومی تعلیم اس لیے ضروری ہے کہ یورپ میں اس کا رواج ہے، معاشرت کو اعلیٰ معیار پر اس لیے لانا چاہیے کہ یورپ کا طرز یہی ہے، سودخواری اس لیے بہتر ہے کہ یورپ اس ذریعہ سے ترقی کررہا ہے، یہ ہمارے دماغوں کا ایک عام طرز استدلال ہوگیا ہے، اس سے اتر کر وہ طبقہ ہے جو مذہبی سمجھا جاتا ہے، اس بے چاروں کی شامت یہ ہے کہ بجائے سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتساب فیض کرنے کے انھوں نے ساری جستجو اور تگ ودو محض کسی عالم یا درویش تک محدود کررکھی ہے، حالاں کہ کوئی امتی کتنا ہی بلند پایا ہو، ظاہر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک کے برابر بھی نہیں ہوسکتا ہے۔ ☆☆☆

ذکرِ رسولؐ

آبروئے ما زنامِ مصطفیٰ است

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ کچھ حجاز کی باتیں کرو، جو کچھ وہاں دیکھا ہے، وہ ہمیں بھی دکھاؤ، مجھے یہ فرمائش بسر وچشم قبول ہے کہ:

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

مجھے وہ دن یاد نہیں جب مکہ اور مدینہ کا نام میرے لیے نیا تھا اور وہ پہلا دن تھا، جب میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش اور اسلام کے گہوارے، رسولؐ کے شہر دارالہجرۃ کے بارے میں کچھ سنا ہو۔

میں نے تمام مسلمان بچوں کی طرح ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی جہاں حجاز اور ان دونوں متبرک شہروں کا تذکرہ ہوتا ہی رہتا ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ لوگ تیزی میں اکثر 'مکہ مدینہ' کہتے تھے، گویا وہ ایک ہی شہر کا نام ہے، وہ لوگ جب بھی ان میں سے کسی شہر کا ذکر کرتے تو دوسرے کا بھی ضرور ذکر کرتے، انھیں باتوں سے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ دونوں ایک شہر کے نام ہیں، مجھے اس فرق کی تمیز اس وقت ہوئی جب میں کچھ بڑا ہوگیا اور مجھے کچھ عقل آگئی، اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ دونوں الگ الگ مستقل شہر ہیں اور ان کی درمیانی مسافت کچھ کم نہیں ہے۔

میں نے بچپن میں جس طرح لوگوں کو، جنت اور اس کی نعمتوں کا بڑے شوق سے ذکر کرتے ہوئے سنا، اسی طرح حجاز اور اس کے دونوں شہروں کا تذکرہ بھی سنا تھا، جنت کو حاصل کرنے اور حجاز دیکھنے کی تمنا اسی وقت سے میرے دل میں کروٹیں لینے لگی تھی۔

جب میں کچھ بڑا ہوا اور مجھے معلوم ہوا کہ جیتے جی جنت کو دیکھنا ممکن نہیں ہے، ہاں حجاز تک رسائی ممکن ہے، حجاج کے قافلے برابر آتے جاتے ہیں، تو میں نے کہا کہ پھر ایمان کی اس جنت کی سیر کیوں نہ کی جائے، دن پر دن گزرتے گئے اور میں بڑھتا گیا، جب میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو میرا پرانا شوق تازہ ہوگیا، تھپکی دے دے کر سلائی ہوئی تمنائیں جاگ گئیں اور میں دن ورات حج وزیارت کی تمنا میں رہنے لگا۔

پھر ایسا ہوا کہ میں اس جگہ آپہنچا جس کی زمین پر نہ تو سبزہ کا فرش ہے، اور نہ اس کی گود میں ندیاں کھیلتی ہیں، اس کے چاروں طرف جلے ہوئے پہاڑ کھڑے پہرہ دے رہے ہیں، لیکن بقول حفیظؔ:

نہ اس میں گھاس اگتی ہے نہ اس میں پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمیں سے آسماں بھی جھک کے ملتے ہیں

جب میں نے حسن ظاہری سے خالی یہ سرزمین دیکھی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شہر مناظر سے کتنا تہی دست ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ بھی سوچا کہ اس شہر نے انسانیت اور تمدن پر کتنا بڑا احسان کیا ہے، اگر یہ شہر جس کا دامن گلکاریوں سے خالی ہے، روئے زمین پر نہ ہوتا تو دنیا ایک سونے کا پنجڑا ہوتی اور انسان محض قیدی! یہی وہ شہر ہے، جس نے انسان کو دنیا کی تنگنائے سے نکال کر وسعتوں سے آشنا کیا، انسانیت کو اس کی کھوئی ہوئی سرداری اور چھنی ہوئی آزادی دلائی، اسی شہر نے انسانیت پر لدے ہوئے بھاری بوجھوں کو اتارا، اس کے طوق و سلاسل کو جدا کیا جو ظالم بادشاہوں اور نادان قانون سازوں نے ڈال رکھے تھے۔

جس وقت میں نے یہ سوچا، اگر یہ شہر نہ ہوتا؟ اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں دنیا کے بڑے بڑے شہروں کا اس شہر سے موازنہ کروں اور دیکھوں کہ اگر یہ شہر نہ ہوتے تو دنیا میں تمدن اور انسانیت میں کیا کمی ہوتی! میرے سامنے ایک ایک شہر آئے اور میں نے دیکھا کہ یہ تمام شہر مٹھی بھر انسانوں کے لیے زندہ اور آباد تھے، انھوں نے انسانیت کے سرمایہ میں کسی بڑی چیز کا اضافہ نہیں کیا، یہ مختلف زمانوں میں انسانیت اور تمدن کے مجرم رہے ہیں، اپنے ذرا سے فائدہ کے لیے بارہا ایک شہر نے سیکڑوں شہروں کو بے چراغ کردیا، ایک قوم نے بہت سی قوموں کو اپنی خوراک بنالیا، کتنی بار چند آدمیوں کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسان برباد کردیے گئے، یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے نقشہ پر اگر یہ شہر نہ ہوتے تو انسانیت وتمدن کا کچھ نہ بگڑتا اور دنیا میں کوئی بڑی کمی نہ ہوتی۔

لیکن اگر مکہ نہ ہوتا تو انسانیت ان معانی وحقائق، اخلاق وعقائد اور علوم وفضائل سے تہی دست ہوتی جو اس کا سب سے قیمتی سرمایہ اور اس کا سب سے بڑا حسن ہے، اسی کی بدولت دنیا نے ایمان کی اس لازوال دولت کو پھر سے پایا جسے لوگ ضائع کرچکے تھے، عالم نے اس صحیح علم کو پایا جو ظن و تخمین کے پردوں میں چھپ چکا تھا، وہ عزت دنیا کو دوبارہ ملی جو سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں پامال ہوچکی تھی، سچ تو یہ ہے کہ یہاں انسانیت نے نیا جنم لیا اور تاریخ نئے سرے سے ڈھل کر نکلی۔

لیکن مجھے ہوا کیا ہے جو میں کہتا ہوں، اگر مکہ نہ ہوتا؟ اگر مکہ نہ ہوتا تو کیا ہوجاتا؟ مکہ تو اپنے خشک پہاڑوں، ریتیلے ٹیلوں بلکہ خانہ کعبہ اور زمزم

کے متبرک کنویں کو اپنی گود میں لیے ہوئے چھٹی صدی مسیحی تک برابر سوتار ہا ہے، اور انسانیت سسکتی اور دم توڑتی رہی ہے، لیکن اس نے مدد کا کوئی ہاتھ نہ بڑھایا، مکہ اس وقت تک خشک پہاڑوں اور ریتیلے ٹیلوں سے گھرا ہوا، دنیا سے الگ تھلگ اس طرح زندگی کے دن کاٹ رہا تھا گویا انسانیت کے کنبہ سے اس کا کوئی جوڑ نہ تھا، دنیا کے نقشہ سے الگ تھا۔

اس لیے مجھے یہ کہنا چاہیے کہ مکہ نہیں بلکہ مکہ کا وہ عظیم الشان فرزند اگر نہ ہوتا جس نے تاریخ کے رخ کو بدل دیا، زندگی کے دھارے کو موڑ دیا اور دنیا کو ایک نیا راستہ دکھایا تو دنیا کا یہ نقشہ نہ ہوتا۔

یہ سوچتے سوچتے میری آنکھوں کے سامنے چند مناظر پھر گئے، مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے قریش کا سردار تن تنہا خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے، لوگ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں، اس سے بدزبانی کر رہے ہیں، لیکن وہ انتہائی اطمینان کے ساتھ طواف کر رہا ہے۔

جب وہ طواف ختم کرتا ہے تو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے، لیکن خانہ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ اسے سختی سے روکتے ہیں، سردار صبر سے کام لیتا ہے، اور کہتا ہے: ''عثمان! وہ دن بھی کیا ہوگا، جب یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا اسے دوں گا؟'' عثمان کہتے ہیں: ''اس دن کیا قریش ختم ہو چکے ہوں گے؟ وہ جواب دیتا ہے: ''نہیں بلکہ اس دن انھیں حقیقی عزت ملے گی، پھر میں نے دیکھا کہ وہی سردار فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے، اس کے وہ ساتھی جنھوں نے اپنے کو اس پر قربان کر دیا تھا، اس کے اردگرد پروانہ وار جمع ہو رہے ہیں، اس وقت وہ کعبہ کے کلید بردار کو بلاتا ہے اور کہتا ہے: ''عثمان! لو یہ تمہاری کنجی ہے، آج کا دن نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے''۔

تاریخ شاہد ہے کہ وہ شخص صرف اس کنجی کا مالک نہیں ہوا جس سے وہ خانہ کعبہ کے دروازہ کو کھول سکتا تھا بلکہ اس کے پاس وہ کنجی بھی تھی، جس سے وہ انسانیت کے ان تالوں کو بھی کھول سکتا تھا، جو کسی حکیم اور فلسفی سے اس وقت تک نہیں کھل سکے تھے، یہ کنجی قرآن کریم ہے، جو اس پر نازل کیا گیا، رسالت ہے جو اسے سونپی گئی جو انسانیت کی ساری گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے، اور ہر زمانہ کی مشکلات کا حل پیش کرتی ہے۔

حج کے بعد میں شوق کے پروں پر اڑتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف چلا، محبت اور وفا کی کشش مجھے مدینہ منورہ کی طرف بے ساختہ کھینچ رہی تھی، راستہ کی زحمتوں کو میں رحمت سمجھ رہا تھا اور میری نگاہ کے سامنے اس پہلے مسافر کا نقشہ گھوم رہا تھا جس کا ناقہ اس راستہ سے گیا تھا اور اس نے اس راستہ کو اپنی برکتوں سے بھر دیا تھا۔

جب میں مدینہ منورہ پہونچا تو سب سے پہلے میں نے مسجد نبویؐ میں دو رکعت نماز ادا کی اور اس سعادت کے نصیب ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر میں آپؐ کے سامنے حاضر ہوا، میں آپؐ کے ان احسانات کے نیچے دبا ہوا تھا جن سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں، میں نے آپؐ پر درود وسلام پڑھا اور گواہی دی کہ بے شک آپ نے اللہ کا پیغام کما حقہ پہونچا دیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپی ہوئی امانت کو پورا پورا ادا کر دیا، امت کو سیدھی راہ دکھائی اور اللہ کی راہ میں دم واپسیں تک پوری پوری کوشش کی، اس کے بعد میں نے آپ کے دونوں محترم دوستوں کو سلام کیا، یہ دونوں ایسے دوست ہیں جن سے بڑھ کر مصاحبت کا حق ادا کرنے والا تاریخ انسانی میں نظر نہیں آتا اور نہ کوئی ایسا جانشین دکھائی دیتا ہے جس نے ان سے زیادہ اچھی طرح جانشینی کے فرائض کو ادا کیا ہو۔

درود وسلام سے فارغ ہو کر میں جنت البقیع کی طرف گیا، یہ زمین کا ایک چھوٹا سا قطعہ ہے، جہاں صدق وصفا، مہر ووفا کا انمول خزانہ دفن ہے:

دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

یہیں وہ لوگ سو رہے ہیں، جنھوں نے آخرت کے لیے دنیا کی زندگی کو تج دیا، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے یقین اور اپنے دین کی خاطر وطن پر غریب الوطنی کو ترجیح دی، انھوں نے رسولؐ کے قدموں پر پڑے رہنے کے لیے رشتہ داروں اور دوست احباب کے پڑوس کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا: ''رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ'' (بعض لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے سچ کر دکھایا)۔

یہاں سے فارغ ہو کر میں احد کی طرف گیا، احد وہ پاک اور دلکش سرزمین ہے، جہاں محبت ووفاداری کا سب سے دلکش منظر دیکھنے میں آیا، اسی میدان میں انسانی تاریخ نے ایمان ویقین کو جیتے جاگتے کرداروں کی شکل میں دیکھا، یہیں سے بہادری اور شجاعت کے الفاظ لغت کو میسر ہوئے، اسی خطہ نے پاک محبت اور نادر دوستی کا نمونہ دنیا کو دکھایا، یہاں پہونچ کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں: ''مجھے احد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے''، مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت سن کر کہہ رہے ہوں: ''اب آپ کے بعد جنگ وجہاد کا کیا لطف؟''، اور انسؓ بول اٹھے ہوں: ''لیکن آپ کے بعد زندگی کا بھی کیا مزا؟''۔

اسی احد پہاڑی کی گود میں حضرت ابودجانہؓ نے اپنی پشت کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا دیا تھا، تیر ابودجانہؓ کی پشت کو چھیدر ہے

تھے، لیکن انھیں جنبش بھی نہ ہوتی تھی، اسی جگہ حضرت طلحہؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر برسنے والے تیروں کو اس طرح اپنے ہاتھ پر لیا کہ ہاتھ شل ہوکر رہ گیا، اسی میدان میں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے ، اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے گئے، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو قریش کے بڑے ناز پروردہ نوجوان تھے، اسی جگہ اس حالت میں شہید ہوئے کہ ان کے لیے کفن بھی میسر نہ تھا، ایک کمبل تھا جس سے اگر سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے پیر ڈھانکے جاتے تو سر برہنہ ہوجاتا۔

اے کاش! احد دنیا والوں کو اپنے اس محبت کے خزانہ سے کچھ دے دیتا، کاش آج دنیا کو اس پچھلے ایمان اور یقین کا کوئی ذرہ بھی نصیب ہوجاتا، اگر ایسا ہوجائے تو اس دنیا کی قسمت بدل جائے اور یہ دنیا جنت بن جائے۔

لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے ہمیں قاہرہ کی سیر کرائی اور وہاں کی اہم شخصیتوں سے تعارف کرایا، تم نے دمشق اور اہل دمشق کی باتیں سنائیں اور وہاں کے ادباء وعلماء سے ملایا، تم ہمیں شرق اوسط لے گئے اور وہاں کی سیر کرائی، اب حجاز اور حجاز کی نمایاں شخصیتوں کا بھی تعارف کراؤ، لیکن میں کیا کروں حجاز کی تو ایک ہی ہستی ہے، جس کی باتیں کیے جائیے جس کی وجہ سے حجاز، حجاز ہے، اور عالم اسلام، عالم اسلام ہے:

آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

سورج کے سامنے ستاروں اور چراغوں اور اس کی روشنی سے روشن ہونے والے ذروں کا کیا ذکر، بس یہی حجاز کی کہانی ہے اور یہی حجاز کا تعارف:

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

☆☆☆☆☆

تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

نبی اکرم رسول مجتبیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے امت اسلامیہ کا گہرا ربط وتعلق اور قلبی وروحانی وابستگی ہر دور میں قائم رہی ہے، آپؐ کے بتائے ہوئے نظام حیات، ضابطۂ زندگی اور آپؐ کی دعوت وپیغام کو مسلمانوں نے مضبوطی سے اپنے سینوں سے لگائے رکھا، اگرچہ آپؐ کے اخلاق واطوار کو مکمل طور پر اختیار نہ کرسکے، لیکن اتباعِ سنت نبویؐ، عشق رسولؐ اور ذاتِ رسولؐ سے گہری وابستگی ووارفتگی ہر دور میں قائم ودائم رہی، مسلمان حسب استطاعت اور اپنی معلومات کی حد تک سنت نبویؐ پر قائم رہے اور اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے، اور بعضوں نے تو مکمل اتباع سنت کا نمونہ پیش کیا جو اخلاق نبویؐ کی عملی تصویر تھا، بہرحال سرور کائنات آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی و تعلق، آپؐ کی مدح، شان، منقبت اور آپؐ کی تعریف وتوصیف میں کمال احتیاط وسنجیدگی، شائستگی، کمال ادب، پاکیزگی، جذبۂ عشق رسول میں حد درجہ سرشاری، نیز درد واثر، سوز وتپش، ہوش ودانش، فہم کے ساتھ عرفان محمدیؐ، فیضان محمدیؐ اور مقام محمدیؐ کا پورا ادب واحترام ملحوظ رکھنا امت محمدیہؐ کا امتیازی وصف ہے، دیگر مذاہب وقوموں میں اس کی مثال نہیں ملتی، بعض قوموں نے تو اپنے انبیاء اور مصلحین کی تعریف میں اتنا مبالغہ کیا کہ ان کو مقام نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت تک پہونچا دیا، اور بعض قوموں نے اولیاء وصلحاء کو انبیاء کے مقام سے آگے بڑھا دیا، لیکن مسلمانوں نے خدا اور بندہ کے اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔

نعتیہ کلام میں حیات طیبہ، اخلاق نبویؐ، مدینہ سے دوری ومہجوری، احساسِ گناہ، شفاعت طلبی، اشکِ ندامت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا تذکرہ اور درود وسلام کے موضوعات ہمیشہ سے موجود رہے ہیں، عربی، فارسی اور اردو کے قدیم وجدید شعراء نے مختلف ادوار میں نعت نبیؐ کے بڑے حسین اسالیب اور عظیم پیرائے نکالے، ان میں محبت وشیفتگی کی حلاوت بھی ہے اور عقیدت واحترام کی لطافت بھی، عشق ووارفتگی کی جنوں آگیں گہرائی بھی اور اکرام واجلال کی احتیاط پسندی بھی، شعراء نے حلیۂ مبارک، بشری صفات، نورانی اوصاف، اخلاق وعادات، خدمات واقدامات اور ذات نبویؐ سے متعلق ہر شے کی تعریف وتوصیف کی ہے، جس میں مقام توحید کی نزاکت کا احساس بھی ہے اور بارگاہ نبویؐ کا ادب وپاس بھی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشق نبویؐ اور اتباع رسولؐ کی نوعیت بیان کردی ہے اور بار بار اس کی تاکید کی ہے، ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: "أنا ابن امرأة تأكل القديد" میں ایک ایسی عورت کا لڑکا ہوں جو سوکھے گوشت کے ٹکڑے کھاتی تھی، اسی طرح اپنے نام کو اللہ کے نام کے ساتھ جوڑنے کی سخت ممانعت کی ہے، چنانچہ مسلمانوں نے خدا اور بندہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور صحابہ کرام نے عشق نبیؐ اور حب رسولؐ، فدویت وارفتگی اور شیفتگی کی اعلیٰ مثالیں پیش کی ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔

آسی غازی پوری کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

تبلیغ واصلاح

تعلیم وتربیت کے حکیمانہ طریقے

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اسلامی کاز کے دو وسیع میدان ہیں، اول ان تمام چیزوں کی تبلیغ جن سے لوگوں کا واقف ہونا ضروری ہے، دوسرا بدعنوانی اور انحراف کی صورت حال کو ممکنہ وسائل کے ذریعہ عدل وانصاف خیر خواہی واستقامت میں تبدیل کرنے کی مخلصانہ جدجہد، بسا اوقات یہ دونوں میدان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر باہم مل جاتے ہیں اور کبھی جدا جدا، لیکن بقدر ضرورت ہر میدان کا حق ادا کرنا ضروری ہے، اور اس کیفیت کے ساتھ جس کو اسلام نے مشروع ومستحسن اور بندوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے لوگوں کے لیے جائز گردانا ہے، حالانکہ ہر میدان کو اس کا حق دینے اور ہر ایک کو اس کے صحیح مقام پر استعمال کرنے میں اکثر کوتاہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اسلام کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں غلط تصویر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے صحیح طریقہ کے مطابق حقوق کی ادائیگی میں نقص اور خلل پیدا ہوجاتا ہے۔

یہ ہر مسلمان کہتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی شریعت اسلامی کے مطابق ہوجائے، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے ذہن میں یہ عظیم مقصد موجزن ہے، لیکن اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے جو کوششیں جاری ہیں بسا اوقات وہ اس عمل کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں، بلکہ صراط مستقیم سے ہٹی ہوئی نظر آتی ہیں اس لیے کہ اس عمل کا اصل مقصد لوگوں کے پاس حق کا پیغام پہنچا کر ان کو مطمئن کرنے کی بھرپور کوشش کرنا اور ان کے نظریات کو درست کرنا اور اسلام کے حق میں خوشگوار فضا ہموار کرنا ہے۔

افسوس ہے کہ ہمیں اس میدان میں ایک بہت بڑا خلا نظر آتا ہے اور جب اس میدان میں بے اعتنائی سے کام لیا جاتا ہے تو پھر بیشتر حالات میں ساری کوششیں کھوکھلا نعرہ ہوکر رہ جاتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ شور وشغب اور نعرہ بازیوں کا بھی دل ودماغ پر ایک تاثر ہوتا ہے، لیکن محض نعروں کے ذریعہ سے مخالفت کو روکا نہیں جاسکتا، بلکہ اسلام کی حقیقت کو واضح اور زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں اس کی صلاحیت ولیاقت پر اطمینان کامل ہی کے ذریعہ اس سیل رواں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے، لیکن اطمینان پیدا کرنے کی یہ صلاحیت ذہنوں اور عقلوں تک لے جانے والے راستے اور تعلیم وتربیت کے حکیمانہ ودانش مندانہ طریقے اپنا کر ہی حاصل ہوسکتی ہے، یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ مسلمان عام طور پر اس میدان میں پیچھے رہ گئے، بلکہ مسلمان ان دونوں میدانوں میں کسی اہم اقدام سے غافل ہیں جب تک زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ہماری اسلامی غیرت وحمیت اور اسلامی حقانیت پر ہمارے اعتقاد کے باوجود صرف زبردست مظاہروں و جذباتی سرگرمیوں اور غیر منصوبہ بند کوششوں پر انحصار ہے اس وقت تک ہماری کامیابی محدود اور غیر معیاری انداز میں اپنوں سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور ایسی صورت میں اسلام کی افادیت سمٹ کر رہ جائے گی اور بیشتر حالات میں خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکے گا۔ اس لیے کہ اپنوں کی ہمنوائی تو حاصل ہی ہے ان کی طرف سے ہمارے خلاف کوئی یلغار نہیں، حملے تو غیروں کی طرف سے ہیں، لہٰذا ہمیں غور اس بات پر کرنا ہوگا کہ ہم نے ان کے مقابلے کے لیے کس قدر تیاری کی ہے، کیا ہم نے ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کا کوئی مناسب اقدام کیا ہے جو اسلام کے متعلق ان کے ذہنوں میں جڑ پکڑ چکی ہیں؟ کیا ہم نے اپنے سے قریب کرنے میں ان کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کیا ہے؟ کیا ہم نے ان کے سامنے اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے اخلاق کریمانہ کا کوئی اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے؟

جب ہم اس میدان میں اپنی کوششوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارا عمل تقریباً صفر نظر آتا ہے اس حقیقت سے واقفیت کے لیے ہمیں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ جب ہم کسی بھی ملک میں جاکر وہاں کسی پبلک لائبریری یا بک اسٹال کا جائزہ لیتے ہیں تو وہاں ہمیں اسلام کے متعلق کوئی قیمتی ذخیرہ دیکھنے کو نہیں ملتا، البتہ پورا کتب خانہ ایسے لٹریچر سے بھرا ہوا نظر آتا ہے جو اسلام کو بگاڑنے اور قاری کو اسلام سے متنفر کرنے میں ایک کلیدی رول ادا کرتا ہے۔

دشمنان اسلام کا تو شکوہ ہی کیا وہ تو اپنی خامہ فرسائی میں آزاد ہیں، البتہ ذرا خود مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیجیے کیا ان کی طرف سے ایسی کتابیں وجود میں آتی ہیں جس سے اسلام کے بارے میں یہ تصور پیدا ہو کہ وہ ایک صاف ستھرا تعمیری مذہب ہے جو انسانیت کو تباہی سے بچانے میں اپنا ایک نمایاں کردار رکھتا ہے یہ خلا کیوں ہے؟ کیا اس کا سبب یہ ہے کہ صلحاء امت دوسری زبانوں سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے؟ یا معمولی اور سطحی زبان جانتے ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں اس لیے کہ مسلمانوں میں ایسے افراد موجود ہیں جو دوسری زبانوں میں ماہر ہیں، بلکہ بعض ادباء اہل

زبان کی طرح دوسری زبانوں میں لکھنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں، آخر ان حضرات کی کوشش کسی میدان میں صرف ہورہی ہیں، وہ ایسی مؤثر زبان و اسلوب میں اپنی نگارشات وتحقیقات کیوں نہیں پیش کرتے جس سے اسلام سے متعلق غیروں کی غلط فہمیاں دور ہوں اور اسلام کے بارے میں ان کے سوچنے کا طرز بدل جائے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق لکھی گئی اکثر کتابیں ان مستشرقین کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں جن کے ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید ردِعمل پایا جاتا ہے یا مغربی اہل دانش کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے مسلم مصنّفین کے افکار کا ثمرہ ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی حقیقت سے بالکل ناآشنا ہیں، ان لوگوں کا الزام ہے کہ اسلام زور وزبردستی اور جبر واکراہ سے پھیلا ہے جس کا اصل مقصد اقتصادی اور قومی مہم جوئی تھا، اگر وہ مسلمانوں کے اخلاق کی ترجمانی بھی کرتے ہیں تو ان کو قبائلی خودستائی اور جنسی خواہشات کی تسکین کی فکر وجستجو میں سرگرداں ہونے کا نشانہ بناتے ہیں، پوری دنیا میں ہمارے دشمنوں اور حریفوں کی نظر میں مسلمانوں کے اخلاق کے یہی معنی ہیں، دُشمنانِ اسلام کے ادباء ومفکرین نے انہیں پہلوؤں کو موضوع سخن بنایا ہے اور ان اختراعی پہلوؤں کو انہوں نے اپنی ادبی تصنیفات اور اجتماعی وانسانی علوم کی کتابوں میں درج کیا ہے، یہی کتابیں یونیورسیٹیوں کالجوں اور مدارس میں داخل نصاب ہیں، یہی کتابیں محققین کا مرجع ہیں، ایک محقق ریسرچ اسکالر اور اکثر مقامات پر فرزندان اسلام کا اعتماد بھی انہیں تصنیفات پر ہے اور ہم عرصۂ دراز تک ان تمام چیزوں سے غافل ونا واقف خواب خرگوش میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ پانی سر سے اونچا ہوگیا اور موقع ہاتھ سے جاتا رہا اور جب خواب غفلت سے بیدار ہوئے تو اپنے حریفوں اور دشمنوں کے خلاف طعنہ زنی اور سب وشتم میں مبتلا ہوگئے، ہمارے اس طرز سے دشمن کے عناد وغضب کی آگ اور بھڑک اٹھی، اس کی نفرت بڑھ گئی اور سرگرمیوں کو دیکھ کر دشمنوں نے حمیت اسلامی کی طاقت کو توڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا۔

عہد اول میں مسلمانان عرب شمع ہدایت تھے، کسی بھی غرض سے وہ کہیں جاتے وہاں کے لوگوں کے اخلاق پر ان کے اخلاق کا گہرا اثر پڑتا، ان کو دیکھ کر لوگوں کے ذہن بدل جاتے، ملک کو فتح کرنے سے پہلے وہاں کے باشندں کے دلوں کو جیت لینا ان کا امتیاز تھا، جس کو بھی ان سے ملاقات یا ان کے ساتھ رہنے کا موقع مل جاتا وہ ان کا گرویدہ ہوجاتا تھا، جب وہ مشرق بعید پہنچے تو وہاں کے لوگ ان کے کردار کے سامنے سرنگوں ہوگئے اور ملک فتح کرنے کے لیے ان کو کسی قسم کے اسلحہ کی ضرورت پیش نہیں آئی، ملیشیا، انڈونیشیا، چین کے علاقے اور ہندوستان کے ساحلی علاقوں کی تاریخ میں کہیں اس بات کا تذکرہ نہیں ملتا کہ مسلمانوں نے ان کے ساتھ جہاد وقتال کرکے تلوار کے حملہ سے ان کو اسلام میں داخل کیا ہو، بلکہ ان کے کردار کی پختگی اور شیریں گفتاری نے یہاں کے لوگوں کے دل موہ لیے اور وہ برضا ورغبت اسلام کی گود میں داخل ہوگئے۔

آج مسلمانوں کی زندگی کی جو تصویر غیروں کے سامنے آرہی ہے اس سے تو مسلمانوں سے نفرت اور اسلام بیزاری میں اضافہ ہورہا ہے، ان کی ذہنی الجھنیں اسلام کے تعلق سے بڑھ رہی ہیں مزید برآں غیر مسلم ممالک میں اسلام کا صحیح نظریہ رکھنے والے اور علم وادب کے ایسے ماہرین ناپید ہیں جو اپنی مومنانہ خصوصیات وصفات سے ان کے ذہنوں کا رُخ بدل سکیں، رجحانات ونظریات کی اصلاح کے لیے تعلیم وتبلیغ کے جدید طریقے اختیار کریں، تحقیقی مضامین تیار کریں، اور ایسے ادب کو جنم دیں جس سے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ایک صحیح اور سنجیدہ تصور قائم ہوسکے، اس کام کے لیے ہمیں انہیں کی زبان استعمال کرنی ہوگی جو ہمارے مخاطب ہیں۔

اسلام کے حامیوں اور حریفوں، اسلامی بیداری کو فروغ دینے والوں اور صہیونی اور نصرانی طاقتوں کے حاشیہ برداروں کے درمیان مشرق ومغرب میں جو خونریز معرکہ آرائی قائم ہے اس کا مقابلہ پوری ثبات قدمی کے ساتھ لازم ہے، اس سلسلہ میں ہرگز کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے، غلبہ کے حصول کے لیے جان توڑ کوشش ضرور کرنا چاہیے، لیکن یہ پورا ایک محاذ ہے اس کے ساتھ ان محاذوں پر بھی کام کرنا ضروری ہے جن کو ہم نے پسِ پشت ڈال دیا ہے اور آج تک ان سے غافل ہیں، دعوت وتبلیغ، اعلیٰ اخلاق اور حکمت وموعظت کے میدانوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، تاکہ اللہ رب العزت کے فرمان کی اتباع پورے طور پر ہوسکے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" [نحل: ۱۲۵] (آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجیے)۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ" [سورہ توبہ: ۶] (اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجیے تاکہ وہ کلام الٰہی سن لے پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجیے (حکم) اس سبب سے رہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے)۔

☆☆☆☆☆

پاجا سراغِ زندگی

طلباء مدارس کا مستقبل

مقصد کی تعیین اور خود شناسی پر منحصر

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

قال اللّٰہ تعالیٰ :"وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى، وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى ، ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى ، وَأَنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنْتَهَى".

نعمت کی قدر

طلبائے دارالعلوم کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانہ طالب علمی کی قدر کریں، ندوہ میں اپنے داخلہ کو فضل خداوندی پر محمول کریں، تاکہ ان کے اندر اپنے زمانہ طالب علمی کی قدر کا جذبہ پیدا ہوسکے ۔ طلباء کے مستقبل کا دارومدار اسی پر ہے کہ وہ غور کریں کہ اپنی طالب علمی کے اس زمانہ کو کس طرح گزار رہے ہیں ۔ اگر ان میں خودشناسی کا جذبہ پیدا ہوگیا تو ان شاءاللہ ان کا مستقبل روشن ہوگا۔ ان کے مستقبل کی تابناکی اس بات پر منحصر ہے کہ ان کا زمانہ حال اچھا گذر رہا ہو، وقت کی قدردانی ان میں ہو، دارالعلوم میں موجود تعلیم وتربیت کے وسائل وامکانات سے بھرپور استفادہ کا ان کے اندر جذبہ وحوصلہ ہو اور ان کی فکر تعمیری اور مثبت ہو۔

طلباء کا اصل مقام

طلباء انبیاء کے وارث ہیں، ان پر انسانی معاشرہ کی اصلاح اور ان کی فلاح وبہبود کی عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اللہ کے بندوں تک اللہ کے پیغام کو پہنچانے کا فریضہ ان پر عائد ہوتا ہے، طالب علمی کا ان کا یہ دور گویا اس عظیم منصب کے لیے تیاری کا دور ہے اس لیے طلباء کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانیں۔

مدارس کا اہم مرض

ہمارے طلباء کا مرض بے نیتی ہے، ان کو چاہیے کہ وہ اپنا مقصد متعین کریں، مقصد متعین کرنے کے بعد ان کے تعلیمی سفر میں جو خیر وبرکت ہوگی اس کو وہ خود بھی محسوس کیے بغیر نہیں رہیں گے، اگر مقاصد جلیل ہوں تو وہ انسان کے مستقبل کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کیے بغیر نہیں رہتے ، آپ کی رفتار وگفتار سے اور آپ کی وضع قطع سے سنجیدگی اور متانت ٹپکتی ہو اور ہزاروں کے مجمع میں آپ کو پہچانا جاسکتا ہو کہ آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فرزند ہیں اور آپ اس سانچے میں ڈھلے ہیں جس سانچے میں انسان ڈھلتے ہیں ۔ دارالعلوم سے آپ کی نسبت بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور آپ کو عظیم نسبت کی لاج رکھنی ہے، آپ کے طرز فکر اور طرز عمل سے دارالعلوم کی نسبت کی خوشبوئیں پھوٹیں اور مستقبل میں آپ کی عالمانہ شان کو عام طور سے محسوس کیا جاسکے۔

آپ جس ورثہ کے امین وپاسبان ہیں، اس سے آپ کو کماحقہ واقفیت ہو، آپ شہزادے ہیں اور شہزادے کے لیے یہ نہایت عیب کی بات ہوگی کہ وہ کسی فقیر کی جھولی کی طرف حسرت کی نگاہ ڈالے، احساس کمتری اور آپ کا کوئی جوڑ نہیں، آپ کی نگاہ بھی بلند ہو اور آپ کا کردار بھی بلند ہو، اگر آپ نے ان بنیادی اصولوں کو اپنی طالب علمی کے زمانہ میں پیش نظر رکھا تو ان شاءاللہ آپ اپنی مادر علمی کی فضاؤں سے کماحقہ فائدہ اٹھاسکیں گے اور ملک وملت کے کام آئیں گے۔

طلباء کے اندر غیر معمولی صلاحیتیں پنہاں

ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی صلاحیتیں رکھی ہیں ، ، انسان جس صلاحیت کو جلا بخشے گا وہی کارگر اور صیقل ہوگی، الاصلاح کا نظام خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کامیاب کوشش ہے، انجمن الاصلاح مفید اور نافع بننے کا ایک کامیاب مرکز ہے، تحریر وتقریر کی مشق اور اسلامی ثقافت کا علم مدارس میں الاصلاح کے ذریعہ فروغ پاتا ہے۔

طلباء کے اندر منافست کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے، اگر یہ جذبہ رہے گا تو ترقی کے منازل طے کرتے چلے جائیں گے، اس موقع پر ایک قصہ یاد آیا: ایک صاحب تھے وہ اپنے بچے کو پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا کہ بیٹے !تم کیا بننا چاہتے ہو، اس نے کہا: آپ جیسا، تو انہوں نے کہا: تم کچھ نہیں بن سکتے، اس لیے میں جب پڑھتا تھا تو تمنا کرتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح بنوں، لہٰذا ہدف اگر بہت اعلیٰ ہو تو انسان بہت کچھ حاصل کرسکتا ہے، اس حقیقت کو سامنے رکھیئے کہ آپ بلندی کی طرف دیکھیں تو حوصلہ ملے گا اور آگے کی طرف نکل جائیں گے:

ہمت بلند دار کہ نزد خدا وخلق
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:

ہر دوعالم قیمت خود گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

مضمون نویسی کے اصول

مضمون نگاری کے لیے پہلی شرط ہے کہ مضمون طبع زاد ہو، حوالے دینا اچھی بات ہے، لیکن پورے مضمون کو نقل کرلینا اور اپنے نام سے

چھپوادینا مردانِ کار کی خصوصیت نہیں، مضمون لکھنے سے پہلے اتنا پڑھئے کہ مضمون ابلنے لگے، بڑی خوشی کی بات ہے کہ جداری صحافت کی روایت قائم ہے، پہلے جداری پرچے نہیں نکلتے تھے، قلمی پرچے نکلتے تھے، یہ ایک نئی پہل ہے۔

مدارس خیر و شر کے معیار

دنیا کی مختلف قوموں نے اچھائی اور برائی کا پیمانہ اور معیار مقرر کیا ہے، اسلام نے بھی منکر اور معروف کا معیار مقرر کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ بھلائی اور خیر کو عام کیا جائے اور برائی کو مٹانے اور ختم کرنے کے لیے انتھک کوشش کی جائے، یہ مدارس اسی تعلیم کو عام کرنے کے مراکز ہیں، یہاں اسی بات کی تعلیم دی جاتی ہے، ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کتنی اچھائیوں ہم نے اختیار کیا ہے، اور کتنی برائیوں سے ہم بچے ہیں، اسلام نے خاص طور سے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور اچھے تعلقات پیدا کرنے کی تاکید کی ہے، لفظ پڑوسی بہت عام ہے، کمرے کا ساتھی، گھر کا پڑوسی، غیر مسلم برادر وطن، سفر کا ساتھی، دور و قریب کا رشتہ دار، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے اکثر تعلقات اپنے پڑوسیوں سے کشیدہ رہتے ہیں، اسی طرح والدین کی نافرمانی سے منع کیا گیا ہے، لیکن نوجوان بالعموم اپنے والدین کی نافرمانی کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

مقصد کی تعیین ضروری

آپ کے مستقبل کا انحصار مقصد کی تعیین اور خود شناسی پر منحصر ہے، محاسبہ سے یہ خوبیاں پیدا ہوں گی، عقل مند آدمی وہی ہے جو محاسبہ کرتا رہے، وقت کا، صلاحیت کا، کردار کا، نقائص پر نظر رکھیں، تو خوبیاں پیدا کرنے کی رغبت پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ توفیقات سے نوازیں۔

☆☆☆☆☆

رحمتِ عالمؐ کی تعلیمات وارشادات کی اشاعت وتبلیغ

مولانا اسحاق جلیس ندویؒ

اس ملک میں مسلمان کم وبیش ایک ہزار سال سے رہتے ہیں، برادرانِ وطن سے بازار، محلّے، دفتر، اسکول، کالج غرض قدم قدم پر انہیں واسطہ پڑتا ہے لیکن اس کے باوجود غیر مسلموں کی خاصی تعداد اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں خطرناک غلط فہمیوں کا شکار ہے، مسلمانوں سے بغض ونفرت میں وہ اس حد تک مبتلا ہیں کہ ان کے نزدیک مسلمان ایک مثقف وشائستہ، شریف وبااصول انسان نہیں ہوسکتا، اس بُعد ونفرت کی آگ میں انگریزوں کی ڈپلومیسی اور ماضی کی سیاسی جدوجہد نے تیل کا کام کیا۔

برادرانِ وطن کی ایک محدود تعداد مسلمانوں سے نفرت نہیں کرتی ہے، تاہم وہ اسلام کی دعوت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے قطعاً ناآشنا ہے، وہ امّت جس کے نبی نے "بلّغوا عنی ولو آیة" فرمایا، "ألا فلیبلغ الشاهد الغائب" ارشاد فرمایا، جہنم کی طرف لپکنے والے انسانوں کو کھینچ کھینچ کر ہلاکت سے بچایا، دنیا کے تمام انسانوں کو خدا کا کنبہ قرار دیا، اس ملّت نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کو ان کی تعلیمات وارشادات کی اشاعت وتبلیغ کا ذریعہ بنانے کے بجائے اپنے ذوق ونظر کی تسکین کا سامان اور اپنی تفریح کا مشغلہ بنالیا ہے، بیسویں صدی کے دنیا کے انسانوں کے کرب کا علاج اور زخم کا مرہم شفاخانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مہیا ہوسکتا ہے، لیکن اس نسخۂ کیمیا کے امین ووارث انسانی برادری تک اسے پہنچانے میں مجرمانہ غفلت برت کر، ایک طرف تو عالم انسانیت کو فیض نبوت سے محروم کیے ہوئے ہیں تو دوسری طرف خود اپنے ملی وجود کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

مسلمانوں کی اس غفلت نے اندلس میں ان کی آٹھ سو سالہ شان وشوکت، اقتدار وحکمرانی کے باوجود انھیں بے نام ونشان کردیا، اندلس کی سیکڑوں مسجدیں صدیوں سے اذان کو ترس رہی ہیں، اندلس میں مسلمانوں کے زوال کے بعد وہ عیسائیوں کے ہاتھوں جس ظلم وستم کا نشانہ بنے، اس کی نظیر ومثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، اندلس میں مسلمانوں کی تباہی، ان کے اقتدار وحکومت کے خاتمے اور ان کے وجود کے ناپید ہوجانے میں مختلف عوامل کام کررہے تھے لیکن گہری نظر سے تاریخ کا تجزیہ کیجیے تو روز روشن کی طرح یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور عروج واقبال میں اسلام کی تبلیغ واشاعت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وتعلیمات کو اپنے برادرانِ وطن تک پہنچانے اور ان کے دل ودماغ کو دین کی دعوت سے متاثر کرنے میں بڑی غفلت برتی، یہی وجہ تھی کہ عیسائیت اپنے ماضی کی تاریخ اور مسلمانوں کی ان پر فتحیابی کا داغ نسل در نسل منتقل کرتی رہی اور ہر آنے والی نسل اسلام کی اعلیٰ روایات، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت سے بے خبر مسلمانوں سے انتقام لینے اور انہیں نیست ونابود کردینے میں کے جذبہ سے سرشار ہوتی گئی، تاریخ شاہد ہے کہ اندلس کے مسلمانوں پر پھر وہ گذری کہ جس کا وہم وخیال بھی کبھی انہیں اپنے دور عروج میں نہ ہوا ہوگا۔

☆☆☆

عشق الٰہی

خوفِ خدا اور آدابِ حج کا خیال

مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی

روزانہ پانچ وقت کی نمازیں، سال میں مہینہ بھر کے روزے، سال گزرنے پر مال کے چالیسویں حصہ کی زکوٰۃ، استطاعت رکھنے پر حج کی سعادت، یہ ہیں وہ چار ستون جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے، کلمہ شہادت کا ذکر نہیں، وہ تو ان بنیادوں کی بھی بنیاد ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

۱- دل سے اس بات کا اقرار کرنا اور زبان سے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

۲- پانچ وقت کی نماز پڑھنا۔

۳- زکوٰۃ دینا۔

۴- مستطیع کے لیے حج کرنا۔

۵- رمضان کے روزے رکھنا۔

حج اسلام کا وہ رکن ہے، جس نے اپنوں ہی کو نہیں غیروں کو بھی متاثر کیا ہے، اس کے ظاہری منافع، اجتماعی مصالح اور روح پرور مناظر پر اسلامی دنیا ہی نہیں؛ غیر اسلامی دنیا نے سیکڑوں نہیں؛ ہزاروں بار رشک کیا، اور کیوں نہ کرے، تہوار وہ بھی مناتے ہیں، یاترائیں ان کی بھی نکلتی ہیں، نمائشیں ان کے یہاں بھی لگتی ہیں، میلوں ٹھیلوں کا سلسلہ ان کے یہاں بھی چلتا ہے، بھیڑ ان کے یہاں بھی نظر آتی ہے، پوجا پاٹ ان کے یہاں بھی ہوتی ہے، مذہبی مقامات میں حاضری ان کے یہاں بھی دی جاتی ہے، لیکن کیا کہیں کوئی جوڑ نظر آتا ہے ان میں سے کسی چیز کا حج کے ایام سے، ارکان حج کی ادائیگی سے، منیٰ کے قیام سے، عرفات کی حاضری اور گریہ وزاری سے، مزدلفہ کی رات سے، دس بیس نہیں چالیس چالیس لاکھ افراد کی ایک ساتھ منتقلی سے، کعبہ کے سائے میں پڑھی جانے والی نماز سے، حجر اسود کو بوسہ دینے کی بے قراری سے، روضۂ اقدس پر پڑھے جانے والے درود وسلام سے اور گنبد خضراء کو دیکھ کر دل پر پڑنے والے اثرات سے؟

حاجی کے دل کی کیفیات کو چھوڑیئے، اس کے احساسات وجذبات کو بھی جانے دیجیے، وہ تو سوائے خدا کے کوئی جان نہیں سکتا، حاجی اسی خدا کا تو مہمان ہے، ہاں آپ اس کے ظاہر پر ضرور نظر ڈال سکتے ہیں اور اس سے اس کی باطنی کیفیات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

آپ نظر ڈالئے احرام کی سفید اجلی چادر پر، چادر کے اندر چھپے حاجی کے پاک وصاف جسم پر، اس کے لرزتے ہونٹوں سے نکلتے تلبیہ کے الفاظ پر، دعا کے لیے اٹھے اس کے کپکپاتے ہاتھ پر، دعا کے موقع پر قائم خدا اور اس کے بندے کے درمیان رشتہ پر، آہ وبکا کے ساتھ مانگی جانے والی دعا پر جو صرف اپنے لیے نہیں، اپنے بیٹوں کے لیے نہیں، اپنے رشتہ داروں کے لیے نہیں اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانی دنیا کے لیے جو دنیا سے جا چکے ان کے لیے بھی اور جن کو آنا ہے ان کے لیے بھی، کیا اس کی مثال کسی مذہب میں، کسی مذہبی موقع پر، کسی مذہبی جگہ پر ملتی ہے؟، یقیناً حاجی مہمان ہے خداوند قدوس کا، آیئے اب دیکھیں اس مہمانی کے آداب کیا ہیں؟

۱- خدا کے اس مہمان کو پہلا جو حکم خدا کی طرف سے ملتا ہے وہ شہوانی تذکروں کی ممانعت کا ہے، اشارۃ وکنایۃً بھی حج کے موقع پر جائز شہوانی خیالات بھی زبان پر نہ لائے جائیں، یہ حکم قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ دیا گیا ہے۔

۲- دوسرا حکم رب کریم کی جانب سے چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے بچنے کا ہے، روزہ کی طرح احرام کی حالت میں متعدد جائز کام ناجائز ہوجاتے ہیں، جیسے شکار کرنا، جوئیں مارنا، پتی توڑنا، تو پھر چھوٹی یا بڑی معصیت کی گنجائش حج کے موقع پر کہاں سے نکل سکتی ہے، وہ تو عام دنوں میں بھی حرام تھی، حج کے ایام میں تو اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے۔

۳- تیسرا حکم خدا کے گھر کے مہمان کو بحث و مباحثہ سے اجتناب کا ہے، مار پیٹ ہاتھا پائی تو الگ رہی، زبانی بحث وتکرار جس کا امکان بھیڑ کے اس موقع پر بہت بڑھ جاتا ہے حج کے ایام میں خاص طور پر اس کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۴- چوتھا حکم جو حاجی کو اس موقع پر پروردگار عالم کی جانب سے ملتا ہے، وہ خدا سے ڈرتے رہنے کا ہے، کیوں کہ یہی وہ ڈر ہے جو اس کو شہوانی تذکروں سے بچائے گا، گناہوں سے محفوظ رکھے گا اور بحث ومباحثہ اور لغو باتوں سے اس کو دور رکھے گا۔

۵- پانچواں حکم جو حج کی آیات کے ضمن میں بار بار حاجی کو دیا گیا ہے وہ ہے خدا کو یاد کرنے، اس کی نعمتوں کا تذکرہ کرنے اور اس کے احسانات کا ذکر کرنے کا، جس خدا نے آپ کو حج کی توفیق دی، وسائل مہیا کیے، سفر کو آسان کیا، رکاوٹوں کو

دور کیا، گناہوں میں لت پت جسم کو اپنے پاک گھر میں حاضری کی اجازت دی، سرکشیوں، بغاوتوں او رنافرمانیوں کے باوجود اپنا مہمان بنا کر عزت بخشی، اس خدا کا خیال ہر لمحہ دل میں رہے، اس کا ذکر ہر وقت زبان پر رہے، نہ اس کے علاوہ کسی کی یاد آئے، نہ اس کے سوا زبان پر کسی کا ذکر آئے، نہ اس کے علاوہ دل میں کسی کا خیال آئے۔

آخری بات مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی: ''حج کے موقع پر دنیا کے گوشہ گوشہ کی آبادیاں کھنچ کر آجاتی ہیں، ہر قسم، ہر عمر، ہر قماش ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، بوڑھے بھی جوان بھی، بچے بھی بڑے بھی، تیز مزاج بھی اور غصہ ور بھی، آوارہ مزاج بھی، حریص ومطامع بھی، حسین او رنوجوان عورتیں بھی، پھر تکلیف اور صعوبتیں بھی راہ اور سواری کے سلسلہ میں طرح طرح کی پیش آتی ہیں، پھر زبانوں کا اختلاف، وہ ان کی نہیں سمجھتے یہ ان کی نہیں سمجھتے، بڑے بڑے حلیم اور بردبار بھی اس موقع پر دامن صبر وضبط چھوڑ دیتے ہیں، رشک ومنافقت، بدنظری و بدکاری، نزاع وجدال کے موقع قدم قدم پر رکھے ہوتے ہیں''۔

تو ایسے موقع پر اگر کوئی چیز آپ کے سفر کو کامیاب اور آپ کے حج کو عنداللہ مقبول بنا سکتی ہے تو وہ یہی خدا کا ڈر ہے، اس کی یاد اور اس کا ذکر ہے، شہوانی خیالات اور باتوں سے بچنا، معاصی سے دور رہنا اور بحث ومباحثہ اور زبانی جھگڑوں سے اجتناب کرنا ہے، جسم اور احرام کی پاکی کے ساتھ ساتھ ہم کو زبان بھی پاک رکھنی ہے، نگاہ بھی پاک رکھنی ہے، دل بھی پاک رکھنا ہے، خیالات بھی پاک رکھنے ہیں، تب ہی ہم حج سے اس طرح گناہوں سے پاک وصاف ہوکر لوٹیں گے جس طرح ماں کے پیٹ سے گناہ کی آلائش سے پاک بچہ پیدا ہوتا ہے۔

حج کا یہ سفر عمر میں ایک ہی دو مرتبہ پیش آتا ہے، بقیہ تین ارکان روزہ، نماز، زکوٰۃ، اگر عمر نے وفا کی، صحت وتندرستی نے ساتھ دیا اور ذرائع آمدنی نے دھوکہ نہ دیا تو ان تینوں ارکان کی ادائیگی کے مواقع زندگی میں بار بار آئیں گے لیکن اس چوتھے رکن کی تلافی کا امکان بہت کم باقی رہتا ہے کیونکہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی انسان بعض وقت حج کی سعادت سے محروم رہ جاتا ہے، اگر خدا کے فضل وکرم سے حج کی سعادت کا موقع آپ کو مل رہا ہے تو اس کے آداب کا پورا خیال رکھیے، نیتوں کو درست کیجیے اور رضاء الٰہی کے علاوہ کسی اور چیز کا خیال دل میں ہرگز ہرگز نہ لائیے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حرمت کا پورا لحاظ رکھیے اور جب واپس ہوئیے تو حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کا یہ شعر آپ کی زبان پر ہو اور آپ کا دل آپ کی زبان کی تصدیق کررہا ہو:

قربانیٔ حیواں بمنی می کند عالم
قرباں سرِ خود من بسرِ کوئے تو کردم

(مقام منیٰ پر ایک دنیا جانوروں کو قربان کرتی ہے، میں نے آپ کے کوچہ کے سرے پر اپنا ہی سر قربان کردیا)۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆ مولانا محمد شمیم ندوی (محرر کلیۃ الشریعہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے بڑے بھائی سماجی کارکن محمد اویس (مقیم کھدرا، لکھنؤ) کا ۱۷؍شوال المکرّم ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۹؍مئی ۲۰۲۲ء روز جمعرات کو عصر کے وقت طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

۲۰؍مئی روز جمعہ کو صبح ۹؍بجے نماز جنازہ حافظ عتیق الرحمٰن طیبی (مسجل دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے پڑھائی، اور تدفین قبرستان تارہ شاہ کھدرا میں ہوئی، نماز وتدفین میں اہل تعلق نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

مرحوم خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار، خوش اخلاق اور داعیانہ مزاج کے حامل تھے، بیماری کی حالت میں بھی ذکر واذکار اور مالک حقیقی کی یاد میں مشغول رہتے، اہل مدارس سے تعلق اور بزرگوں سے محبت وعقیدت تھی، دوسروں کی خوشی وغم میں برابر شریک ہوتے، جس کی وجہ سے خواص وعوام میں قدر تھی، تمام بھائیوں کو ان کی سرپرستی وہمدردی حاصل تھی، ان سب کا بڑا خیال رکھتے۔ پسماندگان میں اہلیہ، ۴؍چار بیٹے (محمد طیب، محمد زید، محمد طاہر، محمد بلال) اور چار بیٹیاں ہیں، بیٹوں میں خاص کر بڑے فرزند محمد طیب نے والد مرحوم کی شب وروز طویل مدت خدمت وتیمارداری کی اور خوب ان کی دعائیں لیں۔

☆ ڈاکٹر محمد عزیر (فاطمہ کلنک، کیمپل روڈ، لکھنؤ) کے خالو جان پروفیسر ثروت حسین ہاشمی (ریٹائرڈ پرنسپل ضیاء الدین ڈینٹل کالج علی گڑھ) کا ۷۵؍سال کی عمر میں ۳۰؍شوال المکرّم ۱۴۴۳ھ مطابق یکم جون ۲۰۲۲ء بدھ کو دہلی میں طویل علالت کے بعد مغرب سے قبل انتقال ہوگیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ علی گڑھ میں مفتی محمد اسامہ قاسمی نے پڑھائی اور تدفین ۲؍جون جمعرات کو مسلم یونیورسٹی کے قبرستان میں ہوئی، نماز جنازہ وتدفین میں کثیر تعداد میں اہل تعلق اور یونیورسٹی کے اساتذہ وطلباء شریک تھے۔

پروفیسر مرحوم پنجوقتہ نمازوں اور نماز تہجد کے بڑے پابند، نیک اخلاق وخوش خصال اور خدمت خلق جیسی صفات کے حامل تھے، پسماندگان میں اہلیہ، ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ ☆☆☆

روح پرور

ماہِ صیام کے بعد پورا سال کیسے گزاریں

ایک ایمان افروز، اصلاحی وفکری بیان

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

رمضان کا مہینہ وہ ہے کہ اس سے بہت کچھ انرجی حاصل ہوتی ہے، طاقت ہے ایمان کی جو رمضان سے حاصل ہوتی ہے۔

سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد اس کی حفاظت کس طرح کی جائے؟ اس لیے کہ جہاں دولت ہوتی ہے وہیں ڈاکو اور چور جاتے ہیں، جہاں کچھ نہیں ہوتا وہاں کسی کو پروا بھی نہیں ہوتی، غریبوں کے یہاں جہاں کچھ نہ ہو، نہ کوئی چور جاتا ہے، نہ ڈاکو جاتا ہے۔ تو سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے اپنی حفاظت کا، رمضان میں اللہ نے جو سوغات دی ہے، ایمان کی جو طاقت ملی ہے، اس کو محفوظ رکھنا ذرا مشکل کام ہے۔ اسی لیے حضرات مشائخ کہتے ہیں کہ کسی کیفیت کو حاصل کرنا آسان ہے، لیکن اس کو باقی رکھنا مشکل ہے، آدمی کبھی جوش میں اور ہمت جٹا کر کسی چیز کو حاصل کرسکتا ہے، لیکن پھر اس کو سنبھال کر رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے، رمضان میں ایک جوش ہوتا ہے، آدمی کوشش کرتا ہے، محنت کرتا ہے، بہت کچھ حاصل کرتا ہے، لیکن رمضان گزرنے کے بعد شیاطین چھوڑ دیے جاتے ہیں، اور وہ ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کہ جو نعمت ملی ہے، وہ نعمت چھین لی جائے، ہر لحاظ سے، اندرونی کیفیات کے لحاظ سے اور ظاہری اعمال کے لحاظ سے، اور پھر اللہ سے جو تعلق نصیب ہوتا ہے اور ایک محبت اللہ کی دل کے اندر آتی ہے، وہ نہیں چاہتا کہ اس طرح کی چیزیں باقی رہیں، تو وہ ایسے مسائل میں الجھا دیتا ہے کہ آدمی آہستہ آہستہ ان چیزوں کو فراموش کرتا جاتا ہے، اسی لیے ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ اچھی کیفیت کا حاصل ہوجانا، بڑی نعمت ہے اللہ کی، لیکن اس کو باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ایسی صحبت سے بچے اور ایسی مجلسوں سے بچے جس میں زیادہ تر لغویات ہوں، اس کا بڑا اثر پڑتا ہے، جو کیفیت ہے وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتی جاتی ہے، تو اس میں ذرا تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔

حافظ کا شعر ہے کہ:

نخست موعظہ پیر صحبت ایں حرف است
کہ از مصاحب نا جنس احتراز کنید

(پیر کی سب سے پہلی نصیحت اس بات کی تاکید ہے کہ بروں کی صحبت سے بچو)۔

رمضان کے مہینے میں جو کچھ بھی حاصل ہوا، اس کے تحفظ کی ضرورت ہے۔ اگرچہ خاصہ وقت گزر چکا ہے، یہ بات تو رمضان کے معاً بعد کہنے کی ہے اور کرنے کی ہے، کہنے والا بھی ضرورت مند ہے، ایسا نہیں کہ میں کوئی ایسی بات کہہ رہا ہوں، جس کی مجھے ضرورت نہ ہو، یہ ایک مذاکرہ ہے، ہم سب کو اس کی ضرورت ہے کہ رمضان میں جو کچھ ملا وہ کم از کم اگلے سال تک تو باقی رہے، میں اکثر اس کی مثال دیتا ہوں کہ جیسے بیٹری چارج ہوتی ہے، جتنی چارجنگ اتنا وقت وہ چلے گی، تو کم از کم یہ رمضان کا جو پورا مہینہ ہے اس میں اتنی چارجنگ ہونی چاہیے اور اللہ نے اس کے اندر اتنی صلاحیت بھی رکھی ہے کہ کم از کم سال بھر چلے۔

امام سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس کا رمضان اچھا گزرا، اس کا پورا سال اچھا گزرتا ہے، اچھا گزرنے کا کیا مطلب ہے؟ آدمی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، آداب کا خیال رکھتا ہے، روزوں کا نماز کا اہتمام تو کرتا ہی ہے، کہ کوئی بھی اللہ کا بندہ ایمان والا ہو، وہ اس کے بعد روزہ اور نماز کا اہتمام نہ کرے تو اس سے بڑی محرومی کیا ہے؟ وہ تو ہر ایمان والا کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ اس سے زائد تلاوت کا اہتمام اور پھر جو دوسروں کے ساتھ سلوک صدقہ وخیرات، پھر وہ ایمانی کیفیات کا استحضار اور کام کرتے وقت اس کا خیال کہ ہم یہ کیوں کر رہے ہیں، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان کا اہتمام کیا جائے تو بیٹری چارج ہوتی ہے اور جب چارج ہوجاتی ہے تو پھر سال بھر کام آتی ہے، اور اگر چارج ہی نہیں ہوئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد کیا ملے گا؟ اس کے بعد جو نقصانات ہوں گے وہ اپنی جگہ پر ہیں، اس لیے سب سے پہلے تو ہمیں اس پر توجہ دینی چاہیے کہ جو کچھ بھی رمضان میں ہمیں ملا ہم اس کو باقی رکھنے کی کوشش کریں، ایسا نہ ہو کہ شیطان جو تاک میں ہے، وہ ہمیں نقصان پہنچادے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ سال کا آغاز ہے، رمضان کے بعد سے گویا کہ عملی طور پر سال کا آغاز ہوتا ہے، ہمارے مدارس شروع ہوتے ہیں، اور یہ اللہ کا فضل ہے الحمدللہ یہ اجازت بھی اب ہے کہ طلبہ براہ راست تعلیم حاصل کرسکتے ہیں، اس نعمت سے بھی ہمیں فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا تو ایسا نہ ہو کہ ہماری بداعمالیوں سے کہیں دوبارہ مسائل سامنے

آجائیں اور دشواریاں ہوں۔

یاد رکھیے! جو کچھ ہوتا ہے وہ یوں ہی نہیں ہوتا، اس کے پیچھے اسباب ہوتے ہیں، اللہ کا ایک نظام قدرت ہے وہ نظام قدرت چلتا ہے، اور اللہ کی قدرت کا جو نظام ہے وہ ایسا ہے کہ اس کی پوری ایک ترتیب ہے وہ ترتیب سے چلتا ہے، جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے، خود کچھ نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اللہ دشمن کو مسلط کرتا ہے، اللہ تعالیٰ مصائب پیدا کرتا ہے، مصیبتوں میں ڈالتا ہے، اور یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ ہماری بداعمالیاں ہیں اور کوتاہیاں ہیں، ان کوتاہیوں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلے ہوتے ہیں۔

تو یہ سال کا جو آغاز ہے اس میں بھی ہمیں ذرا سا استحضار کی ضرورت ہے، توجہ کی ضرورت ہے کہ ہمیں جو وقت ملا، اس سے فائدہ اٹھائیں اور تھوڑی سی قربانی کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کریں اس لیے کہ بغیر قربانی کے تو کچھ ہوتا ہی نہیں اور مشقت کے ساتھ جو چیز ملتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اندر پائیداری پیدا فرماتے ہیں، عجیب بات ہے یہ کہ جو چیز بغیر مشقت کے ملتی ہے، سہولت کے ساتھ ملتی ہے، اس کا سنبھالنا ذرا مشکل ہوتا ہے، وہ نکل جاتی ہے اور جو چیز مشقت کے ساتھ ملتی ہے وہ چیز پائیدار ہوتی ہے، تو اس لیے ہمیں اپنے آپ کو تیار رکھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ موقع دیا تو ہم کوشش کریں آگے بڑھنے کی، اگر اس میں ہمیں تھوڑی مشقت اٹھانی پڑے تو مشقت اٹھائیں اور کوشش کریں۔ اور اس کا دھیان ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں اس لیے نہیں بھیجا کہ جس طرح چاہیں ہم زندگی گزاریں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں امتحان گھر میں رکھا ہے، یہ دنیا آزمائش کا گھر ہے، اور یہاں پر آزمائشوں کی نوعیتیں الگ الگ ہوتی ہیں، شیطان جو الجھاتا ہے اور آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے، آدمی کو پھسلانے کے لیے ایسے اسباب تیار کر دیتا ہے کہ انسان کو اپنے آپ کو سنبھالنا آسان نہیں ہوتا، اسی طرح اور دنیا کی مشقتیں ہوتی ہیں، دین کے کاموں میں آگے آدمی بڑھنا چاہتا ہے تو رکاوٹیں ہوتی ہیں اور اس میں بعض مرتبہ ایسے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ آسان نہیں ہوتا اس کو برداشت کرنا، لیکن بہرحال آدمی اگر تھوڑی سی نیت کرے، کوشش کرے تو کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا جسم دیا ہے کہ اس میں بڑی صلاحیتیں ہیں، بڑی قوت برداشت ہے، لیکن ہم اس کو استعمال نہیں کرتے، اور یہ تو جاننے والے جانتے ہیں کہ اللہ نے جو یہ انرجی رکھی ہے ہمارے جسم کے اندر بہت کم حصہ اس کا ہم استعمال کرتے ہیں، اکثر حصہ صلاحیتوں کا ضائع ہو جاتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اس دور میں خاص طور سے جو سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں، ان سہولتوں کی وجہ سے ہمارا جسم مشقتوں کا عادی نہیں ہوتا، اور پھر مشقت ہوتی ہے تو برداشت سے باہر ہونے لگتی ہے۔ جیسے گرمی ہی ہے یہ گرمی کا برداشت کرنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن آج سے آپ اندازہ کیجیے پچاس سال پہلے، سو سال پہلے، ساٹھ سال پہلے، جب وسائل نہیں تھے اور سخت دشواریاں ہوتی تھیں لیکن آدمی برداشت کرتا تھا۔ ہم نے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ وہاں رائے بریلی میں ہمارے یہاں لائٹ آتی ہی نہیں تھی، اب دس سال سے آنے لگی ہے، ورنہ لائٹ نہیں آتی تھی اور پوری پوری رات گزرتی تھی بغیر لائٹ کے، اے. سی. کا تصور ہی نہیں تھا، کولر کا معاملہ بھی آسان نہیں تھا، اور جب لائٹ ہی نہیں آتی تھی تو کولر کیا؟ پنکھا نہیں چلتا تھا، اور ایسی دوپہریں سخت گرمیوں کی دوپہریں ہمارے ذہن میں ہے، ہمیں یاد ہے کہ آدمی تلاش کرتا تھا کہ یہاں دھوپ نہیں ہے، کچھ ہوا آرہی ہے تو وہاں چارپائی ڈال دی، لیٹ گئے، اور وہاں ہوا کیا آتی؟ سوائے تپش کے، آپ تصور کیجیے دھوپ کا اور ان کھلی ہوئی جگہوں کا جہاں انتظام نہ ہو کسی چیز کا کسی ایسی چیز کا جس سے ٹھنڈک حاصل ہو، لیکن وہ سب برداشت کرتے تھے لوگ، بوڑھے لوگ بھی برداشت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم میں جو طاقت رکھی تھی، اس کا انھوں نے استعمال کیا، ان کے اندر قوت برداشت تھی، اب حال یہ ہے کہ لوگ اے. سی. کے عادی ہو چکے ہیں، اب ظاہر ہے کہ اس کے بعد ایسے سخت ماحول میں بیٹھنا گرمی میں بیٹھنا آسان نہیں معلوم ہو رہا ہے، لیکن اللہ نے جسم ایسا بنایا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ عادی ہوتا ہے، ایک دم سے عادی نہیں ہوتا وہ آہستہ آہستہ عادی ہوتا ہے اور ایسا عادی ہوتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ آپ اگر دیکھئے بعض لوگوں کو جو بیچارے غریب ہیں یا پریشاں حال ہیں وہ ایسے ایسے کام کرتے ہیں کہ آپ تصور نہیں کر سکتے۔

اب اس کا رواج ختم ہو گیا، ورنہ پہلے جب کوئلے کے انجن ہوتے تھے، اس میں جو لوگ کام کرتے تھے، آگ بھڑکائی جاتی تھی وہ کوئلے ڈالتے تھے اور بیچارے ان میں بعض رمضان کے سخت گرمی کے روزے رکھتے تھے، بعض مرتبہ تو سوچ کر حیرت ہوتی تھی کہ کیسے روزہ رکھ سکتا ہے، لیکن اللہ نے جسم کو ایسا بنایا ہے کہ آدمی جیسا اپنے آپ کو عادی بنالے ویسا ہو جائے گا، البتہ مشقت ہوگی، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مشقت نہیں ہوگی، لیکن ایسا بھی نہیں کہ آدمی وہ کام نہیں کر سکتا، سب کر سکتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا عجیب نظام ہے کہ آدمی کوشش کرتا ہے، تھوڑی سی مشقت اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو عیش کا

عادی بنائے تو ظاہر ہے کہ ویسا ہی اس کا مزاج ڈھل جاتا ہے اور اس کے لیے مشقت کا اٹھانا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ مشقت کے ساتھ جو چیز ملتی ہے وہ پائیدار ہوتی ہے اور جو چیز آسانی سے ملتی ہے اس میں خطرات ہوتے ہیں، نکل جاتی ہے، اگرچہ اگر آدمی کوشش کرے، اللہ کی رضا کی نیت سے اور ایمانی جذبے کے ساتھ آگے بڑھنے کی فکر کرے تو آسانیاں بھی ہیں اس کے ساتھ، تو بھی اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے، لیکن جو اللہ فرماتا ہے: "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" اور جو ہمارے راستے میں ہمارے لیے جان کھپاتے ہیں ان کے لیے ہم اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

اور یہ جان کھپانا، صحیح طریقے پر جان کھپانا، اللہ کے راستے میں جان کھپانا اور اللہ کے لیے جان کھپانا دو شرطیں ہیں: اللہ کے لیے جان کھپانا اور اللہ کے راستے میں جان کھپانا۔ اگر آدمی اس کی کوشش کرتا ہے، اس میں لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتے، اس کے لیے راستے کھلتے ہیں، اب ظاہر ہے کہ آدمی جس میدان میں ہے، کوئی مدرس ہے، کوئی پڑھنے والا ہے، کوئی دعوت کے کام میں لگا ہے اور کسی دوسرے دین کے کام میں کوئی لگا ہے، اب وہ مشقت اٹھاتا ہے، دشواری ہوتی ہے، اور اگر وہ دشواری کو برداشت کرتا ہے اور آگے بڑھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستے کھولتے ہیں، وہ اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے، لیکن اس کے لیے کچھ نہ کچھ مشقت اٹھانا ضروری ہے، اس کے بغیر کام نہیں ہوتا، تو اس لیے خاص طور پر ہمیں یہ سوچنے کی ضرورت ہے، اور یہ پہلا دن ہے اس لیے خیال ہوا کہ یہ چند باتیں میں عرض کردوں، اس کا خیال رکھیں، رمضان میں جو اللہ نے دیا اس کو ہم محفوظ رکھنے کی کوشش کریں، رمضان میں نمازوں کا اہتمام، تکبیر اولیٰ کا اہتمام، جماعت کا اہتمام، تلاوت کا اہتمام تھا، اس کا کچھ حصہ مواظبت کے ساتھ باقی رہے، اور پھر جو کیفیت اللہ نے دی ہے، اگر ہو سکے تو کچھ نہ کچھ وہ سلسلہ بھی اگر قائم رہے، اللہ سے مانگنے کا نظام، توجہ اللہ کی طرف ہو تو ان شاء اللہ پھر اللہ تعالیٰ راستے کھولیں گے اور آسانیاں پیدا ہوں گی۔

اور جو آپ کو مصائب نظر آتے ہیں، یہ ایسا نہیں ہے کہ گھوڑا ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے، اللہ کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، اور سب اس کے فیصلوں سے ہوتا ہے، یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں، جو کچھ آپ کو نظر آرہا ہے، ایسا نہیں ہے کہ خود بخود ہو رہا ہے، یہ سب اللہ کر رہا ہے اور کروا رہا ہے، کیوں کروا رہا ہے؟ اس پر ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے، یہ ہماری بداعمالیاں ہیں، اس کو لوگ سمجھتے نہیں اور ہزار باتیں تلاش کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر یہ بات صاف صاف کہہ دی ہے: "وَلَنُذِيْقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُوْنَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ" کہ آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے ہم دنیا میں مصیبتیں ڈالتے ہیں، کیوں ڈالتے ہیں؟ تاکہ لوگ پلٹیں اللہ کی طرف لیکن آپ اندازہ کیجیے! محلوں میں دیکھئے، دیہاتوں میں جائیے، حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی، یہ چیز قابل فکر ہے، قابل غور ہے، اور خاص طور سے توجہ کی ہے، اگر سب اس پر کوشش کریں اپنے اپنے علاقوں میں، دیہاتوں میں، شہروں میں کہ جو بھی لوگ ہیں ہمیں ان کی فکر کرنی ہے، تنہا ہم اپنا کام کرلیں گے، کام بنے گا نہیں، عام لوگوں کی زندگی کو دیکھ کر اللہ کے یہاں فیصلے ہوتے ہیں، تو اگر ایک شخص اچھے عمل کرتا بھی ہے تو تنہا یہ کافی نہیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ماحول کو بہتر بنانے کی فکر کی جائے، اس لیے حدیث میں آتا ہے کہ گذشتہ امتوں میں کچھ لوگ اچھے ہوئے، انھوں نے کسی کو دیکھا کوئی غلط کام کر رہا ہے تو اسے روکنے کی کوشش کی، اس نے کبھی مانا اور کبھی نہیں مانا، نہیں مانا تو پھر اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا شروع کردیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی خود انھیں برائیوں میں شامل ہوتے گئے اور اس کے بعد پھر اللہ کا عذاب آیا، یا یہ کہ وہ بالکل غافل ہوگئے جو ہو رہا ہے، ہونے دیا، اس کی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا۔

اب ظاہر ہے کہ گھن بھی پسا، کہتے ہیں کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ عذاب دیکھ کر آئے کہ فلاں گھر میں عذاب آئے گا اور فلاں گھر میں عذاب نہیں آئے گا، یہ نہیں ہوتا، جب برائی پھیل جاتی ہے، اکثریت برائیوں میں مبتلا ہو جائے تو اللہ کی طرف سے پکڑ ہوتی ہے، اور پکڑ کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ سب پکڑے جاتے ہیں۔

اسی لیے ہم تنہا اپنے آپ کو یہ سوچیں کہ بچالیں گے اچھائی کر کے تو یہ مشکل ہے، ہمیں خود بھی اپنے آپ کو بچانا ہے، ایسے ہی ماحول بنانے کی فکر کرنی ہے، جب ماحول اچھا ہوگا، بڑی حد تک لوگوں کے اندر اچھائیاں پیدا ہوں گی تو حالات بدلیں گے، اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم پکڑے جائیں گے اور ہم پر یہ ساری چیزیں مسلط ہوں گی جو مسلط کی جارہی ہیں، یہ اللہ کا نظام ہے، نظام قدرت جس کو کہتے ہیں، اور یہ قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں، کئی جگہ کہا گیا: "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ" کہ خشکی اور تری میں جو بگاڑ پھیل گیا ہے، یہ لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی ہے، لوگ جو کرتے ہیں ان کے کرتوتوں کا یہ گویا کہ نتیجہ ہے جو

آج ہمیں نظر آرہا ہے تو کم سے کم ہم اس پر غور کریں، اللہ نے رمضان کی ایک نعمت ہم کو دی، اب کم سے کم درجہ یہ ہے کہ ہم اس کی ان کیفیات کو باقی رکھنے کی کوشش کریں، اپنے کو آگے بڑھائیں اور ماحول کو بہتر بنانے کی فکر کریں، ماحول کو اگر ان شاء اللہ ہم بہتر بنائیں گے، اس کے لیے ہم داعی بن کر رہیں گے کوشش کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بھی فیصلے بدلیں گے۔ اور جو آج ہمیں حالات نظر آرہے ہیں، ہمارے سامنے جو مصائب ہیں، مشکلات ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، قطعاً یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ دین کے دشمن جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، دندناتے پھرتے ہیں، یہ کیا چیز ہیں؟ مکڑی کے جالے کی طرح ہیں، ایک فیصلہ اللہ کا کافی ہے، لیکن فیصلہ ہم کو کروانا پڑے گا، اپنے اعمال سے کروانا پڑے گا، اللہ سے مانگ کر فیصلے اللہ سے کروانے پڑیں گے، اللہ فیصلے کرے گا اور اللہ نے فیصلے کیے ہیں، لیکن ہم غافل رہیں، ہمارے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو، جو ہو رہا ہے ہوتا رہے اور ہم سوچیں کہ جیسے بدر والوں کی مدد ہوئی تھی، ایسے ہی ہماری مدد ہو تو یہ نہیں ہوگا۔ اللہ کا نظام یہ نہیں ہے، اللہ کا نظام یہ ہے کہ ہم جیسی زندگی اختیار کریں گے، اس کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں فیصلے ہوں گے تو اس لیے اس پر بھی ہمیں توجہ دینی ہے۔

اس وقت جو ہمارے حالات ہیں، ملک کے حالات میں کیا کہوں؟ سچی بات یہ ہے کہ ساری دنیا کے جو حالات ہیں، آپ دیکھئے کہ جو مرکز اسلام ہے، وہاں کیا ہو رہا ہے؟ کس طرح سے وہاں اسلام خطرے میں نظر آرہا ہے، وہاں جب یہ صورت حال ہے تو ہم تو مرکز شرک میں ہیں، لیکن یہ مرکز شرک وہ ہے جو مرکز توحید بھی رہا ہے، اور یہیں پر ایسے ایسے اللہ کے نیک بندے پیدا ہوئے جنھوں نے انقلاب برپا کیا ہے ساری دنیا میں، ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اس کے لیے محنت کی ضرورت ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے اندر مایوسی تو پیدا ہوتی ہے، لیکن کچھ کرنے کا جذبہ نہیں ہوتا، مایوسی تو کفر ہے: "فَإِنَّهُ لَا يَيْئَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ" کہا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے تو وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو اللہ کا انکار کرنے والے ہیں، جو اللہ کو نہیں مانتے وہ مایوس ہو جاتے ہیں، جو اللہ کو مانتے ہیں، اللہ کی قدرت کو مانتے ہیں تو ان کے لیے مایوسی کی کیا بات ہے؟ حبل اللہ کو آدمی پکڑے تو پھر کون اس کو بہا کر لے جاسکتا ہے؟ وہ ایسی رسّی ہے، ایسی مضبوط رسّی ہے کہ آندھیاں چلیں، چھکڑ چلیں، طوفان چلیں، کچھ بھی ہو، لیکن وہ اپنی جگہ پر ہے، مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس رسّی کو پکڑنے والے تو ہوں، ہماری زندگی اس کے مطابق گزرے، پھر کم از کم اس کے لیے ہم داعی ہوں اور ایک ماحول بنانے والے ہوں، جب اس محنت میں ہم لگیں گے اور کوشش کریں گے تو ان شاء اللہ آپ خود دیکھیں گے کہ حالات کس طرح بدلتے ہیں۔

اور جزوی طور پر آپ دیکھئے کہ جن علاقوں میں ایسی محنتیں ہوئی ہیں وہاں خاصی تبدیلی نظر آئی ہے، یہاں تک کہ ہمارے برادران وطن ہیں جو ہم سے واقف نہیں، ہمارے دین سے واقف نہیں، اسلام کے الف سے واقف نہیں، ایسی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جائے اور ہم بالکل غافل ہیں، ہم پہونچانا نہیں چاہتے، ہماری زندگی ایسی نہیں کہ اس کو دیکھ کر وہ اسلام کو سمجھیں، ہماری بداخلاقیاں اور ہماری اسلام سے ہٹ کر جو ظاہری زندگی ہے، وہ ایسی ہے کہ اس کو دیکھ کر اسلام سے اور زیادہ نفرت لوگوں کے اندر پیدا ہو، یہ کہاں سے اسلام کو لوگ سمجھیں گے؟ کم از کم اس کا درجہ یہ تھا کہ خود اپنی زندگی کو ہم نمونے کی زندگی بناتے، اپنے کو نمائندۂ رسول بنا کر پیش کرتے، تو شاید حالات کچھ اور ہو جاتے، اس لیے یہ بھی فکر اپنے اندر پیدا کرنی ہے، ہمیں خود بہتر زندگی اختیار کرنی ہے، اور پھر اپنے اطراف میں جو بھی لوگ ہیں ان تک صحیح بات پہنچانا، ان کی فکر کرنا اور ان کو صحیح راستے پر لانے کے لیے ان سے ایسی باتیں کہنا کہ ان کے اندر ایک جذبہ پیدا ہو اور کچھ اپنے اندر تبدیلی لانے کا خیال پیدا ہو، تو یہ اگر ہمارے اندر فکر ہوگی تو ان شاء اللہ اس سے بھی حالات بدل سکتے ہیں، تو یہ چند ضروری چیزیں ہیں، اگر ان شاء اللہ ہم ان کا خیال رکھیں گے تو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی ہوگی اور اللہ تعالیٰ جو قدرت رکھنے والا ہے، سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے، ساری دنیا کے خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، یہاں تک کہ حدیث میں آتا ہے کہ "ہر شخص کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے: "يقلبها كيف يشاء" وہ جس طرح چاہتا ہے، اسے الٹتا پلٹتا ہے، تو جب سب اللہ کی قدرت میں ہے تو مایوس ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ سے مانگنا، اس کے لیے محنت کرنا اور فکر کرنا، اس کے لیے ماحول بنانا اور دعائیں کرنا، یہ ایسی چیز ہے کہ اس سے بہت کچھ تبدیلی ہو سکتی ہے۔ بس یہ ان شاء اللہ فکر پیدا ہو، اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اپنے اپنے علاقوں میں اور جہاں بھی انسان رہتا ہو، یہاں تک کہ مدرسے میں پڑھتا ہو تو مدرسے میں رہ کر وہ بہت کچھ کر سکتا ہے، اللہ معاف کرے جو خرابیاں اس وقت پیدا ہو رہی ہیں وہ خرابیاں ایسی ہیں کہ ہر جگہ وہ خرابیاں ہمیں نظر آتی ہیں، دینی ماحول میں بعض مرتبہ وہ خرابیاں آپ کو نظر آتی ہیں، تو اگر وہ خرابیاں ہم دور کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا اور کام آسان ہوگا۔

☆☆☆☆☆

عصر حاضر

روس اور یوکرین کا موجودہ تنازعہ

تاریخ کی روشنی میں

مولانا سید عنایت اللہ ندوی

روس اور یوکرین کے درمیان فی الحال جنگ چل رہی ہے جس سے ہزاروں لوگ مر رہے ہیں، اس کی انتہا کہاں تک پہنچے گی، نہیں کہا جاسکتا، بعض لوگ اس سے تیسری عالمی جنگ کے بھڑک جانے کا خدشہ ظاہر کررہے ہیں، موجودہ تصادم کے حالات کا جائزہ لینے سے پہلے ہمیں ان دونوں ملکوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

روس اور یوکرین ان دونوں ملکوں کی اپنی کوئی قدیم تاریخی حیثیت نہیں ہے، ان دونوں کی تاریخ دراصل سلطنت بلغار سے وابستہ ہے، سلطنت بلغار ترکوں کی ایک عظیم الشان قدیم سلطنت تھی جس کا قیام ۶۳۲ء کو شمالی ایشیا اور مشرقی یورپ میں ہوا تھا، اس سلطنت میں موجودہ رشین فیڈریشن کے ساتھ ساتھ یوکرین، ہنگری، رومانیہ اور مولدووا کے ممالک بھی شامل تھے، بعد میں اس کی وسعت موجودہ بلغاریہ اور سربیا تک بھی ہوگئی تھی۔

اس سلطنت کے عظیم بادشاہ الممیش یلطوار نے خلفیہ عباسی المقتدر باللہ کے زمانہ ۹۲۲ء میں اسلام قبول کرلیا اور اپنا اسلامی نام جعفر بن عبداللہ رکھا، پھر ان کی کوششوں سے سارے بلغاری ترک قبائل حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، اس پورے خطہ میں ان ہی ترک قبائل کی آبادیاں پھیلی ہوئی تھیں اور انہیں کا دبدبہ تھا، روسی اور یوکرینی قبائل بہت معمولی تعداد میں ترکوں کے باج گذار کی حیثیت سے رہتے تھے۔

۱۲۲۵ء میں منگول فرماں روا چنگیز خان نے ان تمام علاقوں پر قبضہ کرکے سلطنت بلغار کا خاتمہ کردیا، اس طرح موجودہ روس اور یوکرین پر منگول تاتاری سلطنت قائم ہوگئی، ۱۲۵۶ء میں چنگیز خان کا پوتا برکہ خان یہاں کا بادشاہ بنا، بادشاہ بننے سے پہلے وہ اسلام لاچکا تھا، برکہ خان نے بادشاہ بننے کے بعد ان علاقوں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام پرزور طریقہ سے کیا، اس کی کوششوں سے یہاں کے تمام تاتاری حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، اس وسیع تارتاری سلطنت کا نام 'آلتین آوردہ' (شاخ زریں) تھا، اس کو سیراوردہ کی حکومت بھی کہا جاتا ہے، اس میں موجودہ رشین فیڈریشن کے ساتھ ساتھ یوکرین، رومانیہ، ہنگری، مولدووا کے ممالک بھی شامل تھے، ۱۳۱۳ء میں محمد ازبک خان اس سیراوردہ حکومت کا بادشاہ بنا، وہ اسلام کا پرجوش داعی تھا، اس نے سائبیریا سے پولینڈ اور ہنگری تک پھیلی ہوئی اس وسیع وعریض سلطنت کے اندر اسلامی قانون نافذ کیا، اور اس پورے خطہ میں اسلام کی بڑے پیمانہ پر اشاعت کی۔

چودھویں صدی عیسوی سے پہلے روس نام کا کوئی ملک ہی نہیں تھا اور نہ روسی قوم کی کوئی حیثیت تھی، اسی طرح نہ یوکرین نام کا کوئی ملک تھا اور نہ یوکرینی قوم کو کوئی جانتا تھا، ۱۳۸۹ء میں جب تیمورلنگ نے سیراوردہ حکومت کے پایۂ تخت قازان پر حملہ کرکے اس تاتاری حکومت کا خاتمہ کردیا تو ایک روسی جاگیردار واسل نے ماسکو شہر کے اندر پہلی بار روسی سلطنت کی بنیاد ڈالی، ۱۴۰۵ء میں تیمورلنگ کے مرنے کے بعد اس خطہ میں پھر سے تاتاریوں نے اپنی حکومت بحال کرنے کی کوشش شروع کردی لیکن ان کی طاقت متحد نہیں ہوسکی، چار مسلم تاتاری حکومتیں یہاں قائم ہوگئیں جو ایک دوسرے سے دست بگریبان رہتی تھیں: ۱- قازان، ۲- استراخان، ۳- سائبیریا، ۴- کریمیا، ماسکو کی روسی حکومت قازان کی تاتاری سلطنت کی ماتحت و باج گذار ریاست تھی جب کہ پورا یوکرین کریمیا کی تاتاری سلطنت کے ماتحت تھا۔

۱۴۶۲ء میں آئیوان سوم روسی حکومت کا فرماں روا بنا، اس کی شادی قسطنطنیہ کے آخری رومی بزنطینی بادشاہ کانسٹائن کی بھتیجی سے ہوئی تھی جو سلطان محمد فاتح عثمانی کے قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد ماسکو آگیا تھا، اس رشتہ کے بعد روسی بادشاہ نے اپنے کو قیصر روم کا جانشین سمجھا، اس لیے اس نے ترکی وتاتاری مسلمانوں کو سرنگوں کرکے رومی اور روسی عیسائی سلطنت کے احیاء کو اپنا اولین مقصد بنالیا، اس نے پہلی بار اپنے لیے 'زار' کا لقب اختیار کیا جس کے معنی شہنشاہ کے ہوتے ہیں، اسی نے ۱۴۷۳ء میں قازان کی تاتاری سلطنت کو خراج دینا بند کردیا اور اپنی سلطنت کو وسیع پیمانہ پر پھیلانا شروع کردیا، ۱۵۳۳ء میں آیوان چہارم روس کا شہنشاہ بنا جس نے ۱۵۵۲ء میں قازان پر اور ۱۵۵۶ء میں استراخان پر قبضہ کرکے ان دونوں خطوں سے تاتاری مسلم حکومتوں کا خاتمہ کردیا، اب صرف دو مسلم تاتاری سلطنتیں باقی رہ گئیں، مشرق میں سائبیریا اور مغرب میں کریمیا۔

۱۶۳۷ء تک روسی زاروں نے سائبیریا کے

وسیع وعریض علاقہ کو بھی مسلم تاتاری حکمرانوں سے چھین کر اپنی سرحد کو بحرالکاہل کے ساحل تک پہنچا دیا، پھر ۱۶۷۲ء میں روسی بادشاہ زار پیٹر نے یوکرین پر قبضہ کرکے وہاں سے تاتاری مسلم سلطنت کا خاتمہ کردیا، اب تاتاری سلطنت صرف جزیرہ نما کریمیا تک محدود ہوکر رہ گئی، ۱۷۸۳ء میں کریمیا پر بھی روس کا قبضہ مستحکم ہوگیا، اٹھارہویں صدی کے اختتام تک روسی سامراج کا رقبہ ایک کروڑ مربع کیلومیٹر تک پھیل گیا، پھر انیسویں صدی میں بھی اپنے توسیعی عزائم کو جاری رکھتے ہوئے روس نے مسلمانوں کے انتہائی زرخیز علاقوں ترکستان اور قفقاز پر بھی قبضہ کرلیا، ساتھ ہی کچھ دیگر شمالی مشرقی یورپین علاقوں کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا، یہاں تک کہ انیسویں صدی کے خاتمہ تک اس کا رقبہ ۲؍کروڑ ۲۰؍لاکھ مربع کیلومیٹر سے بھی زیادہ ہوگیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جن علاقوں پر روسی سامراجیت قائم ہوئی، ان میں سے ۹۰؍فیصد علاقے وہ ہیں جہاں اسلام کی اشاعت مکمل ہوچکی تھی اور وہاں کی سو فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی، ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد روسیوں نے وہاں سے اسلام اور مسلمانوں کی ایسی بیخ کنی کی جس کی مثال اندلس کے علاوہ کہیں نہیں ملتی، اندلس میں تو مسلمانوں کو آگ میں جلا گیا تھا لیکن روس میں کروڑوں مسلمانوں کو ٹرکوں میں لاد کر سائبیریا کی برفیلی ریگستانوں میں ننگے بدن ڈھکیل دیا گیا، جہاں برف کی طرح ہمیشہ کے لیے جم کر رہ گئے، دنیا کے لوگوں کو پتہ بھی نہ چلا کہ کیا ہوا، خاص طور پر اسٹالین نے تو حد کردی، بتایا جاتا ہے کہ ۵؍کروڑ مسلمانوں کو تو خود اسی نے اس طرح بے دردی سے ہلاک کردیا، مسلمانوں کی اس نسل کشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سائبیریا کا وسیع وعریض علاقہ استراخان کا خطہ اور کریمیا کا قطعہ ارض، یہ تینوں علاقے مسلمانوں کے وجود سے یکسر خالی ہوگئے، بہرحال یہ ایک درد بھری داستان ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، ان سارے علاقوں میں روسیوں کو بسایا گیا، ترکی و تاتاری عورتوں کے بطن سے روسیوں کی نسلی افزائش کی گئی، آج دیکھا جاسکتا ہے کہ ان تمام علاقوں میں سو فیصد آبادی روسیوں کی ہے۔

اتنے سارے بھیانک مظالم کے باوجود رشین فیڈریشن میں سات ایسے صوبے یا خودمختار جمہوریتیں اب بھی ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے جیسے: ۱-انگوشتیہ، ۲-چیچنیا، ۳-کباردیہ بلکاریہ، ۴- داغستان، ۵-کراشائی شرکیسیہ، ۶-بشکورتوستان، ۷- تاتارستان، پورے روس میں فی الحال مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۲۵ فیصد کے قریب ہے اور تعداد ساڑھے تین کروڑ کے لگ بھگ۔

روسی مظالم کا یہ سلسلہ ۱۹۸۹ء تک چلتا رہا، چاہے روسی زاروں کا دور ہو یا روسی کمیونسٹوں کا دور، روسی زاروں کے دور سے زیادہ سخت اعصاب شکن دور روسی کمیونسٹوں کا رہا جب کہ مسلمانوں کا قتل عام اور نسل کشی انتہائی اعلیٰ ترین پیمانہ پر ہوئی جس کی مثال پوری تاریخ میں ملنی مشکل ہے، ان رونگٹے کھڑے کردینے والے مظالم کے باوجود مسلمانوں کا اور اسلام کا وہاں باقی رہ جانا ہی ایک معجزہ سے کم نہیں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا کرشمہ اور اسلام کی طاقت کے ساتھ ساتھ ان مسلمانوں کے ایمان کی پختگی اور اسلام سے ان کی سچی وابستگی کا بھی واضح ثبوت ملتا ہے ورنہ چار سو سال تک خطرناک روسی شکنجہ میں کسے رہنے کے بعد بھی اسلام اور مسلمانوں کا وہاں باقی رہ جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

ہم نے یہ تفصیل اس لیے بیان کردی تاکہ روسیوں کے مظالم سے پُر داستان کا کچھ علم ہوسکے، اگر روسیوں کے رونگٹے کھڑے کردینے والے مظالم نہ ہوتے تو آج وہاں مسلمانوں کی آبادی ۱۲؍کروڑ سے بھی زیادہ ہوتی، آج جو مسلمان وہاں باقی رہ گئے ہیں وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں، روسی مظالم کا سلسلہ ۱۹۸۹ء تک چلتا رہا، ۱۹۸۹ء میں جب روسی فوجیں افغانستان سے شکست کھا کر لوٹیں، تو ۱۹۹۱ء میں سوویت روس ٹوٹ کر بکھر گیا اور روسیوں کے قبضہ سے ۱۳؍ممالک آزاد ہوگئے، ان میں سے سات عیسائی یورپین ممالک تھے: ۱- یوکرین، ۲- اسٹونیا، ۳-لاتویا، ۴-لتھوانیا، ۵- مولدووا، ۶-آرمینیا، ۷-جورجیا۔ اور چھ مسلم ممالک: ۱- ازبکستان، ۲- قزاقستان، ۳- آذربائیجان، ۴- کرغیزستان، ۵-ترکمانستان اور ۶-تاجکستان، اس طرح روس کا رقبہ گھٹ کر ایک کروڑ اکہتر لاکھ رہ گیا۔

اب آتے ہیں یوکرین کی طرف، ۱۹۹۱ء سے قبل یوکرین نام کا کوئی ملک نہیں تھا اور نہ یورکرینی قوم سے دنیا واقف تھی، ساتویں صدی عیسوی سے یہ خطہ بھی عظیم بلغاری ترک سلطنت کے زیر نگیں تھا، پھر تیرہویں صدی عیسوی میں وسیع و عریض تاتاری مملکت کا حصہ بنا، ۱۳۸۹ء میں یہ خطہ تیمورلنگ کے قبضہ میں چلا گیا، ۱۴۴۹ء میں یہاں پھر سے تاتاری حکومت قائم ہوئی، ۱۵۶۹ء میں پولینڈ کے بادشاہ نے یوکرین کے شمالی علاقہ پر قبضہ کرلیا، ۱۶۷۲ء میں روسی بادشاہ زار پیٹر نے یوکرین کے جنوبی حصہ کو تاتاریوں سے چھین کر اپنے قبضہ میں کرلیا، ۱۷۶۸ء میں اس کے شمالی حصہ کو بھی پولینڈ سے چھین لیا، اس طرح پورے

یوکرین پر روسی قبضہ مستحکم ہوگیا۔

۱۹۱۷ء میں روس کے اندر کمیونسٹ انقلاب آیا، انقلاب کے محرک لینن نے اعلان کیا کہ زار روس نے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے، انقلاب کے کامیاب ہونے کے بعد ہم ان تمام علاقوں کو آزاد کردیں گے، اس اعلان سے تمام مقبوضہ علاقوں کے لوگوں نے انقلاب کا بھرپور ساتھ دیا لیکن انقلاب کامیاب ہونے کے بعد جب ان علاقوں کے لوگوں نے اپنی آزادی کا اعلان کیا تو کمیونسٹ اپنے وعدے سے مکر گئے اور فوجی تشدد سے سختی کے ساتھ آزادی کی تمام تحریکوں کو کچل ڈالا، ان علاقوں میں یوکرین اور کریمیا بھی شامل تھے، کمیونسٹوں نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد روس کا نام بدل کر سوویت یونین رکھ دیا، اس سویت یونین میں رشین فیڈریشن کے ساتھ ساتھ مزید ۱۳؍خطوں کو آزاد جمہوریتوں کے نام سے شامل کردیا، ان آزاد جمہوریتوں میں یوکرین بھی تھا، کریمیا کو لیکن آزاد جمہوریت کا درجہ نہیں دیا گیا، اسے یوکرین کا حصہ قرار دیا گیا، یہ آزاد جمہوریت کا لفظ محض ایک دھوکہ اور فریب تھا ورنہ آزادی کے نام پر غلامی کی زنجیروں کو مزید مضبوطی سے جکڑ دیا گیا تھا۔

پھر اس کے بعد روسی کمیونسٹوں نے ان مقبوضہ علاقوں پر مظالم کے جو پہاڑ ڈھائے، ان کی طرف اشارہ ہم نے پہلے کردیا ہے، کہنے کو تو وہ سوویت یونین تھا لیکن حقیقت میں وہ روسی ظلم و استبداد کا بدترین اور سیاہ ترین دور تھا جس کو تمام مقبوضہ علاقوں کے لوگوں نے جھیلا، ان میں یوکرین کے لوگ بھی تھے۔

روسیوں کے حوصلے کافی بلند تھے، انہیں کامیابیاں مسلسل ملتی چلی جارہی تھیں، ۱۹۱۴ء کی پہلی عالمی جنگ، پھر ۱۹۴۵ء کی دوسری عالمی جنگ دونوں میں روسیوں نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر کامیابی حاصل کرلی، جب سرد جنگ کا دور آیا تو روس، ویتنام میں امریکہ کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا، ان باتوں سے حوصلہ پاکر ۱۹۷۹ء میں سوویت روس نے اپنے رقبہ میں مزید وسعت پیدا کرنے کے لیے افغانستان پر حملہ کردیا، نہتے افغان عوام سر پر کفن باندھ کر روسی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آگئے، دس سال تک یہ جنگ چلتی رہی، اللہ تعالیٰ نے افغانوں کی دعا سن لی، روسی فوج کو منہ کی کھانی پڑی، سخت رسوائی اور ذلت آمیز شکست کے ساتھ روسی افواج افغانستان سے نکلنے پر مجبور ہوئیں، ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد جن تیرہ آزاد جمہوریتوں نے روسی شکنجے سے آزادی حاصل کی تھی، ان میں سے ایک یوکرین بھی تھا جس میں جزیرہ نما کریمیا ایک صوبہ کی حیثیت سے شامل تھا۔

روس یوکرین کے موجودہ تنازعہ کا کچھ نہ کچھ سرا کریمیا سے بھی ملتا ہے، کریمیا پر ۱۷۸۳ء میں جب روس نے قبضہ کیا تھا تو اس وقت وہاں کی سو فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی، ۸۵ فیصد تاتاری مسلمان تھے اور ۱۵ فیصد ترکی مسلمان، روسی قبضہ کے بعد تیزی کے ساتھ وہاں کی آبادی کا توازن بدلنے لگا، روسی اور یوکرینی عیسائیوں کی آبادی بڑھنے لگی اور تاتاری وترکی مسلمانوں کی آبادی مسلسل گھٹنے لگی، یہاں تک کہ ۱۹۳۹ء تک حالت یہ ہوگئی کہ روسی ۵۵ فیصد، یوکرینی ۲۰ فیصد، تاتاری ۲۰ فیصد اور ترکی ۵ فیصد تک پہنچ گئے، دوسری عالمی جنگ کے بعد تو اسٹالین نے کریمیا کی سرزمین کو مسلمانوں کے وجود سے مکمل خالی کرادیا، سارے مسلمانوں کو جانوروں کی طرح ٹرکوں میں لاد کر سائبیریا کے برفانی ریگستانوں میں لے جایا گیا اور وہاں ننگے بدن کے ساتھ ریت اور مٹی کی طرح انڈیل دیا گیا، اسٹالین وہ ظالم ترین روسی حکمراں تھا جس نے اس طریقہ سے ۵ کروڑ مسلمانوں کو ہلاک کرڈالا، اس طرح کریمیا سے تاتاری و ترک مسلمانوں کا مکمل صفایا ہوگیا، ۱۹۵۹ء میں آبادی کا تناسب اس طرح بدل گیا کہ روسی ۷۵؍ فیصد اور یوکرینی ۲۵؍فیصد ہوگئے۔

۱۹۹۱ء میں جب یوکرین آزاد ہوا تو کریمیا کے تاتاریوں میں سے کچھ جو کسی طرح چھپ چھپا کر اپنی جان بچا کے بھاگنے میں کامیاب گئے تھے اور یورپ وایشیا کے مختلف علاقوں میں کسمپرسی کی زندگی گذار رہے تھے، انہیں اپنے وطن واپس آنے کی آس پیدا ہوئی چنانچہ انہوں نے یوکرین کے حکمرانو ں سے اپنے وطن واپس آنے کی خواہش ظاہر کی، یوکرین کے حکمرانوں نے کھلے دل سے ان کا استقبال کیا کیونکہ روسی مظالم کا شکار تاتاری اور یوکرینی دونوں ہی ہوتے رہے تھے، اس لیے تاتاریوں کے متعلق یوکرینیوں کے دلوں میں نرم گوشہ تھا اور روسیوں سے نفرت تھی، چنانچہ مختلف علاقوں سے تاتاریوں کی آمد شروع ہوگئی، یوکرینی حکمرانوں نے کریمیا میں پھر سے ان کو بسانا شروع کردیا، اس میں ممکن ہے کہ بعض ان روسی آبادکاروں کو ان بعض مقبوضہ مکانات اور زمینوں سے ہاتھ دھونا پڑا ہو جو اصلاً تاتاریوں کی تھیں جو پھر سے تاتاریوں کو واپس کروادی گئیں، اس لیے کچھ روسی کریمیا سے روس چلے گئے، ۲۰۰۱ء تک کریمیا میں آبادی کا تناسب اس طرح ہوگیا کہ روسی ۶۰ فیصد، یوکرینی ۲۶ فیصد اور تاتاری ۱۴ فیصد، اب روسی صدر پوتن کے کان کھڑے ہوگئے، جب اس نے یہ جائزہ لیا کہ یوکرینی حکام کریمیا سے روسیوں کو بھگا رہے ہیں

اور ان کی جگہ پر پھر سے تاتاریوں کو بسا رہے ہیں تو اس نے یوکرین کو سبق سکھانے کی ٹھان لی۔

چنانچہ پوتن نے ۲۰۱۴ء کو کریمیا پر فوج کشی کرکے اسکو یوکرین سے چھین لیا اور اسے روس کا ایک صوبہ قرار دیدیا، روسی فوجی کریمیا میں داخل ہوکر وہاں موجود یوکرینیوں پر مظالم ڈھانے لگے، بہت سارے یوکرینی کریمیا سے یوکرین کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوئے اور روسیوں کی آمد پھر سے شروع ہوگئی، ۲۰۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی کا تناسب کچھ اس طرح ہوگیا ہے، روسی ۶۷ فیصد، یوکرینی ۱۷ فیصد اور تاتاری ۱۶ فیصد۔

کریمیا پر روسی قبضہ اور پھر وہاں یوکرینیوں پر ہونے والے مظالم کے ردعمل میں یوکرینیوں نے یوکرین کے اندر بسنے والے روسیوں پر حملے شروع کردیے، ممکن ہے کہ کچھ روسی مارے بھی گئے ہوں، پھر اس کا ردعمل یہ سامنے آیا کہ روسی صدر نے یوکرینی صدر کو دھمکیاں دینی شروع کردیں کہ یوکرینی جو کررہے ہیں، اس کا برا انجام ہوگا، ان دھمکیوں کی وجہ سے یوکرین نے ناٹو اور یوروپین یونین میں شمولیت کی کوشش شروع کردی تاکہ روس کے ممکنہ حملے سے بچا جاسکے، اس سے روسی صدر کا پارہ اور چڑھ گیا، اس نے امریکہ اور یوروپین ممالک کو سخت تنبیہ کی کہ اگر یوکرین کو ناٹو میں شامل کیا گیا تو اس کے سنگین نتائج سامنے آئیں گے، اس تنبیہ سے امریکہ، فرانس، برطانیہ اور جرمنی پر سکتہ طاری ہوگیا، اس لیے اس کا مطلب وہ سمجھتے تھے کہ روسی صدر ایٹمی جنگ کی دھمکی دے رہا ہے، اور وہ ممالک یورپ کو کسی ایٹمی جنگ میں دھکیلنا نہیں چاہتے تھے، اس لیے یوکرین کو ناٹو میں شامل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔

۲۲؍فروری ۲۰۲۲ء کو روس نے یوکرین پر حملہ کردیا، روس اور یوکرین کے درمیان اب بھی جنگ جاری ہے، یوکرین کے کئی شہر روسی بمباری سے کھنڈر میں تبدیل ہوچکے ہیں، روسی فضائی حملوں سے کئی ہزار یوکرینی فوجی اڈے تباہ ہوچکے ہیں، روسی سرحد سے متصل یوکرین کے تین صوبوں (ماریوپول، لوہانسک اور ڈونسٹک) پر روس کا قبضہ مکمل ہوچکا ہے، یہ وہ صوبے ہیں جہاں روسی بولنے والوں کی اکثریت ہے، اس جنگ سے اب تک ہزاروں لوگ مارے جاچکے ہیں، لاکھوں یوکرینی اپنا گھر بار چھوڑ کر پولینڈ، رومانیہ اور ہنگری میں پناہ لینے پر مجبور ہوچکے ہیں۔

روسی صدر بار بار یہ جملہ دہراتا ہے کہ ہمارا مقصد یوکرین پر قبضہ کرنا نہیں ہے بلکہ صرف یوکرینی صدر کو اقتدار کی کرسی سے ہٹانا ہی ہمارا مقصود ہے لیکن اس کی باتوں پر بھروسہ کرنا مشکل ہے، ویسے یوکرینی صدر، یوکرینی فوج اور یوکرینی عوام متحد ہوکر پوری پامردی کے ساتھ روسی جارحیت کا مقابلہ کررہے ہیں، بہت سارے روسی فوجی طیارے اور ٹینک تباہ کردیے گئے ہیں یہاں تک کہ ایک روسی سمندری جہاز کو بھی تباہ کرنے میں یوکرینی فوج کامیاب رہی ہے۔

یہ توطے ہے کہ روس یوکرین تنازعہ سے تیسری عالمی جنگ کے چھڑنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے کیونکہ عالمی جنگ تب ہی ہوگی جب کوئی تیسرا ملک روس سے براہ راست بھڑ جائے، اس کا دور دور بھی امکان نہیں ہے کہ دنیا کا کوئی بھی ملک روس سے لوہا لینے کی ہمت کرے گا، روس اگر یوکرین کی ساری آبادی کو ہلاک کرکے اس پر پورا قبضہ بھی کرلے گا تب بھی ناٹو براہ راست فوجی مداخلت نہیں کرے گا، صرف یوکرین کے لوگوں کے لیے زبانی، مالی اور فوجی امداد تو امریکہ اور یورپ کے ممالک کرسکتے ہیں لیکن ایک ایٹمی سوپر پاور سے ٹکرا کر یورپ اور امریکہ کو جہنم زار بنانے کا جوکھم مول نہیں لے سکتے، انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ روسی بڑے سفاک، بے رحم اور سنگ دل لوگ ہیں، وہ اپنے مفاد کے لیے پوری دنیا کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کریں گے، بہرحال جنگ ابھی جاری ہے:

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

جہاں تک یوکرین میں مسلمانوں کی آبادی کی بات ہے تو اس مضمون کے شروع میں جو تفصیل ہم نے بتائی، اس سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ یہ خطہ دسویں صدی عیسوی سے لے کر اٹھارہویں صدی عیسوی تک مسلم حکمرانوں کے زیر نگیں رہا، ان آٹھ سو سال کے عرصہ میں کئی ایسے حکمراں بھی آئے جنہوں نے اسلام کی نشر واشاعت کا کام بڑے پیمانے پر کیا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یوکرین کی پوری آبادی حلقہ بگوش اسلام ہوچکی ہوگی، لیکن اٹھارہویں صدی سے جو روسی استبداد کا دور شروع ہوا تو اس دوران روسیوں نے زبردستی ان مسلمانوں کو عیسائی بننے پر مجبور کیا ہوگا جنہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو انہیں تہہ تیغ کردیا ہوگا، جیسا کہ سائبیریا اور کریمیا کے ترکوں اور تاتاریوں کیساتھ ہوا، آج بھی یوکرین کے سرکاری اعداد وشمار سے معلوم ہوتا ہے کہ کریمیا کو چھوڑ کر صرف یوکرین میں ۸؍لاکھ مسلمان ہیں جو پوری آبادی کے ۲؍فیصد بنتے ہیں لیکن ایک یوکرینی مسلم تنظیم کے سربراہ کا کہنا ہے کہ یوکرین میں مسلمانوں کی آبادی دس لاکھ سے زیادہ ہے جبکہ یوکرین کے مفتی اعظم کا کہنا ہے کہ یوکرین میں بیس لاکھ مسلمان بستے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

یادوں کے چراغ

مولوی ابوالبقاء اعظمی ندوی مرحوم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مولوی ابوالبقاء اعظمی ندوی مرحوم ہمارے مشفق استاد مولانا مفتی محمد سعید اعظمی ندویؒ کے خلف رشید تھے، اور اس رشتہ سے وہ ہمارے مولانا مفتی محمد ظہور ندوی مرحوم سابق نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بھانجہ اور بہت عزیز بھانجہ تھے، مولانا مفتی محمد ظہور ندوی مرحوم کا ندوہ کے کاموں میں اشتراک عمل سے ایک طویل المدتی ساتھ رہا، ایک آدھ سال کے فرق سے ہم دونوں کا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تقرر ہوا تھا، ہم کلیۃ اللغہ میں مدرس ہوئے اور پھر اس کے عمید ہوگئے تھے، وہ کلیۃ الشریعہ میں تھے پھر وہ بھی اس کے بھی عمید ہوگئے تھے اور وہ نائب مہتمم کے بھی فرائض انجام دیتے تھے، اپنے بہنوئی مولانا مفتی محمد سعید اعظمی ندوی کے بھی معاون رہے اور ان کے بعد شعبۂ افتاء کی پوری ذمہ داری انہی پر آگئی اور شعبۂ تعمیر وترقی کے بھی کاموں کے وہ نگراں تھے، ان کے ساتھ جو اشتراک عمل کا تعلق، بے تکلفی اور مناسبت ومؤانست کی بات تھی، اس سے مولوی ابوالبقاء ندوی مرحوم بھی گھر کے ایک فرد کی طرح معلوم ہوتے تھے اور شروع سے سعادت شعار، اچھی علمی لیاقت اور انتظامی صلاحیت کے حامل تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں انہوں نے محنت سے تعلیم حاصل کی، بخاری شریف محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے جبکہ مسلم شریف مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور ابوداؤد شریف مولانا محمد اسحاق سندیلوی سے پڑھی، مجھ سے بھی اس رشتہ کا تعلق رہا، ان کی جماعت اچھی جماعت تھی جس میں کئی حضرات نے بڑی ترقی کی، ان میں خاص طور پر مولانا ناصر علی ندوی سابق استاد اول شعبۂ علوم حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، ڈاکٹر سید لقمان اعظمی ندوی مرحوم جنہوں نے حائل سعودی عرب کے ایک تعلیمی ادارہ میں مدت تک حدیث شریف پڑھائی اور حدیث سے متعلق کتابیں بھی لکھیں، مولانا محمد لقمان خان ندوی بھوپالی جو مولانا محمد عمران خان ندوی سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے چھوٹے بھائی تھے اور دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کے کچھ مدت تک ناظم تعلیمات بھی رہے، ڈاکٹر سید محمد ابراہیم ندوی جو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے شعبۂ عربی کے صدر رہے، مولوی محمد عباس ندوی گیاوی جو رائے بریلی کے مدرسہ ام المومنین عائشہ للبنات کے ناظم تعلیمات رہے اور یہ مولوی ابوالبقاء ندوی مرحوم تھے جن کو ان کے علمی وتحقیقی ذوق کی وجہ سے دارالمصنّفین اعظم گڈھ میں خدمت کا موقع ملا اور وہ اس کے رفیق ہوئے پھر ان کو اچھی انتظامی صلاحیت کی وجہ سے جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ میں خدمت کا موقع ملا اور اس کے ناظم ہوئے، ان کی مدت نظامت میں میرا بھی وہاں جانا ہوا، تو دیکھا کہ ادارہ کو انہوں نے اچھی ترقی دی ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بھی ان کی خدمات لیں، اور کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی میں اپنی فعالیت اور اچھی کارکردگی سے سب کو متاثر کیا، اور اس کی فکر کی کہ کتب خانہ کی جو کتابیں جن حضرات کے پاس رہ گئی ہیں یا تو وہ کتابیں حاصل کی جائیں یا ان کی قیمت لی جائے، اور بعض اہل خیر حضرات کو متوجہ کر کے بہت سی ان کتابوں کی قیمت ادا کرائی جن کا ملنا اب ممکن نہیں تھا، اور ورثاء کو اس کا خیال نہیں تھا، چونکہ یہ ایک طریقہ کا قرض ہے اور شخصی نہیں اجتماعی قرض ہے، اس لیے بہتر صورت اس کی وہی تھی جو انہوں نے اختیار کی۔

ہم لوگوں کو خوشی تھی کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے دارالعلوم کو فائدہ پہونچائیں گے لیکن کچھ ان کی معذوریاں اور گھر کی مجبوریاں ایسی تھیں کہ وہ اپنے وطن اعظم گڈھ سے زیادہ دنوں دور نہیں رہ سکتے تھے مگر آنے جانے کا سلسلہ قائم تھا اور ندوۃ العلماء سے انھیں جو تعلق ومحبت تھی، وہ انھیں بار بار یہاں لائی اور جب تک رہتے بڑے خوش رہتے، صحت بھی الحمدللہ اچھی تھی لیکن ادھر معلوم ہوا کہ صحت میں گراوٹ آرہی ہے، تب بھی یہ اندیشہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلد ہم سب سے رخصت ہوجائیں گے، ان کے سانحۂ وفات کی خبر سن کر بڑا صدمہ ہوا اور وہ یادیں اور نقوش تازہ ہوگئے جو ان کی زمانہ طالبعلمی سے آج تک اور عزیز فرد خاندان کی طرح قائم ہیں۔

۲۹؍شوال المکرّم ۱۴۴۳ھ کو انہوں نے اعظم گڈھ میں وفات پائی، ان کی عمر تقریباً ۸۵؍سال تھی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وأدخلہ فی العلیین مع الأبرار المقربین۔

☆☆☆☆☆

دین رحمت

حقوقِ نسواں یہودیت اور اسلام کی نظر میں

ایک تقابلی جائزہ

تحریر: ڈاکٹر خالد سعد (استاذ جامعہ بحرین)

دشمنانِ اسلام نے ثقافتی اور فکری جنگ کے ذریعہ مسلم قوم کی نوجوان نسل کے افکار وخیالات اور عقل وشعور کو پراگندہ وآلودہ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے اور اس کی تاثیر اتنی زیادہ ہے کہ اس کے سبب بعض مسلمان -صبح یا شام کے کسی حصہ میں -ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتے اور کفر کی گندگی میں منتقل ہوتے جارہے ہیں، حالانکہ اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پہلے ہی آگاہ کردیا تھا اور اس سے ہمیں ڈرایا تھا، چنانچہ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا: ”فتنوں کے آنے سے پہلے پہلے نیک اعمال میں جلدی کرلو، وہ فتنے اپنی تاریکی اور ہلاکت خیزی میں شبِ دیجور کے ٹکڑوں کے مانند ہوں گے، ایسے پُرفتن دور میں آدمی صبح کو مومن ہوگا شام کو کافر، یا شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر، وہ دنیا کے معمولی متاع کے بدلے اپنے دین کو بیچ ڈالے گا“۔ [رواہ مسلم کتاب الایمان: ۱۱۸]

حال ہی میں شائع ہونے والے اخبارات و رسائل میں ارتداد کا ایک واقعہ پڑھنے اور دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں ایک خلیجی فنکار (فلم اسٹار) خاتون کے مرتد ہونے اور یہودی مذہب اختیار کرنے کی خبر تھی، جس کو تمام اخبارات اور سوشل میڈیا نے نشر کیا، اگر وہ دین اسلام کے خلاف بے بنیاد اور من گھڑت باتیں اور لچر تبصرے نہ کرتی تو راقم یہ مضمون لکھنے کے لیے اپنے قلم کو جنبش نہ دیتا، اس خاتون کا معاملہ سلوم نامی گمنام شخص کی طرح ہی ہے، جو ایک نصرانی تھا، اس نے شہرت و ناموری اور ذاتی مفاد کی خاطر اسلام قبول کیا تھا، لوگ اس کی مثال دیا کرتے اور کہتے کہ ”سلوم کے اسلام قبول کرنے سے دین اسلام میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوا، اور نہ نصاریٰ کو سلوم کے اسلام سے کوئی فائدہ ہوا“۔

قسم کھا کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہودی اس خاتون کے یہودیت اختیار کرنے پر کوئی توجہ نہیں دیں گے، اس کے دو سبب ہیں: پہلا سبب تو یہ ہے کہ یہودی مذہب یہودیوں ہی کے ساتھ خاص ہے، یہ قوم کسی دوسرے مذہب کے لوگوں کو -اگرچہ وہ یہودی ہوجائیں- قابل اعتناء نہیں سمجھتے اور یہودی قوم ہی اس کا دائرۂ کار ہے، یہ قوم اپنے ساتھ کسی دوسرے کی شمولیت کو قبول نہیں کرتی، صرف اپنی ہی قوم کے افراد کی فکر کرتی ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ محرک جو اس فنکارہ کے مرتد ہونے کا سبب بنا، اس کا یہ زعم کہ اسلام نے عورت کی تحقیر کی ہے، اس پر ظلم کیا ہے، اس کے حقوق پامال کیے ہیں اور برابری کا حق عورت کو نہیں دیا- وہ اعتراض اس مذہب میں دیگر مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ موجود ہے جسے اس نے قبول کیا ہے، اور اس میں حقوق کی ادائیگی کا تو خیال ہی نہیں، یہودیوں کی کتاب ’تورات‘ کے وہ نصوص جو ان کے سامنے ہیں وہ عورت کی تحقیر، حق تلفی اور اس پر ظلم کی وہ داستان بیان کرتے ہیں جس سے زیادہ کا تصور کرنا مشکل ہے۔

اگر یہ خاتون حقیقی معنی میں علم سے آشنا ہوتی اور حقیقی دین اسلام اور تحریف شدہ مذہب یہودیت کے مابین موازنہ کرتی اور دونوں کے درمیان واضح فرق دیکھتی تو کبھی بھی ارتداد کا شکار نہ ہوتی، یہاں تک کہ اب اس کے لیے اپنی حقیقت اور اپنی اصل سے دستبردار ہونا اور امت مسلمہ کے دشمنوں کی جانب اپنی نسبت کرنا اور اس دین حق کو چھوڑنا - جس کی خوشخبری حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے دی ہے- آسان ہوگیا۔

دین اسلام اور یہودیت کے درمیان معمولی سا موازنہ کرنے ہی سے یہ بات آشکارا ہوجاتی ہے کہ دونوں مذاہب کے درمیان بڑا عظیم فرق ہے، اس سلسلہ میں بعض حقائق ہم یہاں بطور مثال نقل کرتے ہیں، دوسری چیزوں کو اسی پر قیاس کرلیا جائے۔

۱- یہودیوں کے نزدیک عورت خطاؤں کی جڑ

عورت کو تورات میں خطا کا مرکز کہا گیا ہے، اس لیے کی حضرت حوا نے حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ کرایا جس کی وجہ سے حضرت حوا اللہ کی طرف سے لعنت اور سزا کی مستحق قرار پائیں۔

قرآن پاک کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حوا ممنوعہ پھل کھانے میں تنہا شریک نہیں تھیں اور نہ وہ تنہا اس کی طرف پہل کرنے والی تھیں، بلکہ دونوں کو خطا کار بتایا گیا اور گناہ کرانے کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ“ [سورۃ البقرہ: ۳۶] (پس شیطان نے آدم اور حوا کو درخت کے ذریعہ بہکایا پھر ان دونوں کو وہاں سے نکال دیا‘ جہاں وہ تھے) بلکہ قرآن مجید تو حقیقت میں غلطی کی نسبت آدم علیہ السلام کی جانب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ“ [سورۃ طہ:

۱۲۱] (آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بھٹک گئے) ایسے ہی دونوں حضرت آدم اور حضرت حوا اپنی غلطی پر شرمندگی و ندامت اور توبہ میں شریک رہے، صرف ندامت آدم علیہ السلام ہی کو نہیں تھی، فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "قَالاَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ" [سورۃ الاعراف: ۲۳] (دونوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا ہے، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے)۔

۲-عورت منحوس ہے

تورات میں آیا ہے کہ: "عورت موت سے بھی زیادہ سخت تلخ شئی ہے اور اللہ کے نزدیک نیک انسان وہ ہے جو اس سے محفوظ رہے"، اور یہودیوں کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے جس کو ہر صبح پڑھتے ہیں کہ: "اے رب آپ مبارک ہیں اس لیے کہ آپ نے مجھے کوئی بت یا عورت پیدا نہیں کیا"۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اسلام نے عورت میں کسی بھی قسم کی نحوست نہیں رکھی جس سے بدشگونی لی جائے، بلکہ عورت ایسی نعمت ہے جس کا شکر ادا کیا جائے اور ایسی رحمت ہے جس کی امید لگائی جائے، عورت میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور بڑا ثواب پوشیدہ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے: "اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة" [رواہ مسلم، کتاب الرضاع: ۱۴۶۷] (دنیا سامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے)، عورت اور مرد کی خلقت میں بڑی حکمتیں اور مقاصد پوشیدہ ہیں اور ان کی خلقت اور تقسیم کار کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتے ہیں: "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ" [سورۃ اللیل: ۳] (اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تخلیق کی قسم کھائی ہے)۔

۳-عورت کا وجود ناپاک ہے

تورات میں عورت کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کا وجود ہی ناپاک ہے، نجاست عورت کے ساتھ دائمی طور پر لگی ہوئی ہے، "تلموذ" (یہودیوں کے نزدیک دوسری متبرک کتاب) میں آیا ہے کہ عورت غلاظت سے بھرا ہوا تھیلا ہے، لڑکی کی ولادت کے دن ہی سے اس کے اور لڑکے کے درمیان فرق کردیا جاتا ہے، ماں کی ناپاکی لڑکے کی ولادت کے بعد سے ایک ہفتہ رہتی ہے، اس کے بعد وہ طہر کے لیے تینتیس دن پورے کرتی ہے اور اگر وہ لڑکی پیدا کرتی ہے تو اس کی نجاست کی مدت دو ہفتے ہوتی ہے اور طہر کے لیے اس کو چھیاسٹھ دن مکمل کرنے ہوتے ہیں، نجومی اور کاہن طلاق شدہ اور بیوہ عورتوں سے نکاح نہیں کرتے اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ وہ نجس ہوتی ہیں، اگر کوئی عورت آدمی کی شال یا چادر کو مس کردیتی ہے تو اس کا دھونا کافی نہیں ہوتا بلکہ چادر تبدیل کرنا ضروری ہوتا ہے اور حیض کی حالت میں اگر عورت کہیں لیٹتی یا بیٹھتی ہے تو وہ جگہ بھی ناپاک ہوجاتی ہے، یہودی عورت جب حائضہ ہوتی ہے، تو بالکل بے حیثیت گری پڑی شئی سمجھی جاتی ہے، یہودی مکمل طور پر اس کا بائیکاٹ کردیتے ہیں، اس کے ساتھ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، اس کو الگ تھلگ کسی ایک کمرے میں چھوڑ دیتے ہیں، اس سے ملاقات نہیں کرتے، ہم نہیں جانتے کہ اس کا کیا گناہ ہے کہ اس کو اس سختی اور قساوت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، کون سا حکم تھا جس کو اللہ نے اس پر فرض کیا تھا؟ جو اس نے پورا نہیں کیا......؟

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس کے نزدیک اوپر بیان کردہ عورت کے متعلق اس طرح کی کوئی نجاست و گندگی اور قساوت قلبی کا تصور تک نہیں ہے، نہ تو عورت کا وجود ناپاک ہے اور نہ حیض کی حالت میں عورت (حکمی طور پر) نجس ہے اور نہ ہی حیض کی حالت میں عورت سے ملنے جلنے میں کوئی رکاوٹ سمجھی گئی ہے اور میاں بیوی کے ایک دوسرے سے ملنے اور لطف اندوز ہونے میں خلوت صحیحہ کے علاوہ کوئی قباحت نہیں رکھی گئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ ایام حیض میں کھاتے پیتے اٹھتے بیٹھتے اور ساتھ میں لیٹتے بھی تھے، ان میں سے کوئی حیض کی حالت میں برتن میں پانی پیتیں پھر اس برتن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیتے اور اسی جگہ منھ لگا کر پانی نوش فرماتے جہاں سے زوجہ مطہرہ نے پانی پیا ہوتا۔

۴-عورت شیطانی وجود ہے

ہر وہ شخص جو تورات اور اس میں شامل قصے اور حکایات کا مطالعہ کرے گا تو اس کے ذہن و دماغ پر عورت بڑی ہی مسخ شدہ، گھٹیا اور بری تصویر ابھر کر آئے گی، گویا کہ وہ ایک شیطانی وجود ہے اور وہ آدمی کے بھٹکنے اور تمام شرور وفتن کا پیش خیمہ ہے اور وہ ایک دھوکے باز، جھوٹی اور خائنہ ہے اور وہ اپنے لڑکے کو اپنے والد کو جھٹلانے اور اپنے سے غداری کرنے کی تعلیم دیتی ہے، اور یہ کہ وہ شوہر کے والدین کو تکلیف پہنچانے ان کے راحت و آرام میں خلل انداز ہونے کا ذریعہ ہے اور یہ رذالت و گندگی، بدمزاجی و بدقماشی، بے حیائی و بے شرمی کی اساس ہے۔

یہاں ہم اگر دین اسلام پر نظر کریں تو ہم دیکھیں گے کہ اسلام نے عورت کو بحیثیت انسان ہونے کے عزت بخشی ہے، عورت اور مرد کے الگ الگ حقوق رکھے گئے ہیں اور تمام حقوق فطرت انسانی کے مقتضی کے مطابق ہیں: "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ" [سورۃ البقرہ: ۲۲۸] (عورتوں

کے لیے بھی حقوق ہیں مردوں کے مثل قانون شریعت کے مطابق) اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ: "انما النساء شقائق الرجال" [رواہ ابوداود، کتاب الطہارۃ: ۲۳۶] عورتیں مردوں ہی کی جنس سے ہیں، اس لیے کہ یہ دونوں قسم ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی مٹی سے بنی ہیں، اور دونوں کی اصل ایک ہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ، واحِدَةٍ، وخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا ونِسَاءً" [سورۃ النساء:۱] (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس جوڑے سے بہت سے مرد اور عورت پیدا کیے) پھر اسلام نے عورت کو ماں کی حیثیت سے معزز بنایا اور ماں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے کو فضیلت کی اصل بتایا، جیسا کہ اس کے حق کو باپ کے حق سے زیادہ اور برتر رکھا ہے: "ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا کون مستحق ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تیری ماں، اس نے کہا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں، اس نے کہا پھر کون؟ نبیؐ نے فرمایا: تیری ماں، اس نے کہا پھر کون؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرا باپ" [صحیح بخاری: ۵۹۷۱] اس کے بعد اسلام نے عورت کو بحیثیت بیوی کے عزت بخشی: "وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ" [سورۃ النساء:۱۹] (بیویوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ) اور پھر لڑکی اور بہن ہونے کے اعتبار اس کو اعزاز بخشا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "من كان له ثلاث بنات أو ثلاث أخوات أو ابنتان أو اختان، فأحسن صحبتهن واتقى الله فيهن، فله الجنة" [جامع ترمذی: ۱۹۲۱] جس شخص کے تین لڑکیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں، یا دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں، تو وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اور ان کے تعلق سے اللہ سے ڈرے، تو اس کے لیے جنت ہے، ایسی کوئی روایت لڑکے یا بھائی کے حق میں نہیں وارد ہوئی، اسلام نے عورت کو دعوت الی اللہ کے اعمال میں اور خاتمہ شر کی مہم میں مردوں کے ساتھ شریک کیا ہے: "وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ" [سورۃ توبہ: ۷۱] (مومن مرد اور مومن عورتیں بعض بعض کے دوست ہیں، اچھائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں،) اسی طرح آخرت کے ثواب و جزاء میں دونوں کو برابر رکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ" [سورۃ آل عمران: ۱۹۵] (ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی، اور یہ کہ میں تم میں سے کسی کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا چاہے عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت)۔

۵- یہودیت میں عورت کی میراث

یہودی عورت وراثت میں حصہ دار نہیں بنتی جبکہ اس کے لڑکے ہوں، اسی طرح بھائیوں کی موجودگی میں اس کو حصہ نہیں دیا جاتا اور لڑکی بھی میراث سے محروم کردی جاتی ہے جبکہ میت کے اولاد ذکور ہوں، لہٰذا اگر میت کی اولاد ذکور نہیں ہیں تو میت کی میراث اصول یعنی باپ کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہوتا ہے اور باپ سارے ترکہ پر قابض ہوجاتا ہے اور ماں کا اس کی اولاد کی میراث میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، چاہے وہ مذکر ہوں یا مؤنث، اور شوہر کو بیوی کی میراث کا ایک لوتا وارث سمجھا جاتا ہے، لیکن بیوی شوہر کی میراث کی حقدار نہیں ہوتی اور وہ حمل جو ماں کے پیٹ میں ہے وہ وارث نہیں بنتا جب اس کا مورث انتقال کر جاتا ہے، مگر حمل لڑکے کی شکل میں ہے تو وہ وارث بنتا ہے لیکن اگر لڑکی ہے تو وہ وارث نہیں بنتی اور عام طور سے ترکہ میں عورتوں کا حصہ نہیں ہوتا، البتہ اگر کوئی مرد حصہ دار نہ ہو اور اصول وفروع میں سے بھی کوئی نہ ہو تو وہ ترکہ کی مالک ہو جاتی ہے، واضح رہے کہ یہودیوں کے یہاں یہ نظام عورتوں پر ظلم و زیادتی، ناانصافی اور مردوں کو بغیر کسی معقول وجہ کے عورتوں پر ترجیح دینے پر مشتمل ہے، جس کو ہر عاقل و باشعور شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

اور اگر ہم نظامِ میراث اور خاص طور پر عورت کی میراث میں حصہ داری میں اسلام کی وسعتوں پر نظر کریں گے تو ہمارے سامنے اسلام کی حقانیت وا ہوجائے گی، اسلام نے ماں، بیٹی اور بیوی کو مکمل طور پر محجوب کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے اور ان تینوں کے ساتھ پوتی، حقیقی بہن، اخیافی وعلاتی بہن، نانی اور دادی کو بھی علم میراث کی معروف شرطوں کے ساتھ شامل کیا ہے اور بعض فقہاء نے ذوی الارحام (رشتہ داروں) جیسے خالائیں، پھوپھیاں، بھتیجیوں وغیرہ کو بھی میراث کے حصوں میں شمار کیا ہے، جبکہ اصحاب فروض اور عصبات موجود نہ ہوں۔

وہ اعتراض جس کو دشمنان اسلام بار بار اور مستقل کرتے رہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام نے مردوں کو اہمیت دی ہے اور عورت کے مرتبہ کو گرایا ہے، اس لیے کہ اسلام نے میراث میں لڑکے کے مقابلہ میں لڑکی کو آدھا حصہ دیا ہے، اور اس کی مثال حقیقی یا علاتی بہن بھائیوں کے بنسبت بہن کو بھائی کے مقابلہ ادھا حصہ ملتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: اس سلسلہ میں ترجیحات کا معاملہ باعتبار جنس کے نہیں ہے، یہ

معاملہ ذمہ داری اور عائد حقوق کے اعتبار سے مختلف ہے، جو میراث میں تفاوت کا مقتضی ہے، اسلام نے مرد کے لیے عورت کے مقابلہ دوگنا حصہ رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے مردوں کو ان چیزوں کا مکلّف بنایا ہے جن کا عورت کو مکلّف نہیں بنایا، جیسے مہر دینا، نان ونفقہ برداشت کرنا اور تمام مصارف و ذمہ داریوں کو اٹھانا اور یہی اسلام کا انصاف ہے، اس لیے کہ عدل وانصاف ہمیشہ مساوات قائم رکھنے ہی میں نہیں ہوتا ہے، بلکہ حقیقی عدل یہ بھی ہوتا ہے کہ حقوق وواجبات عائد کرنے میں بھی مساوات قائم رکھا جائے، وہ اہم بات جس کو میں بتاتا ہوں وہ یہ کہ میراث میں عورتوں پر مردوں کو ترجیح دینے کا قاعدہ کوئی مستحکم اور قاعدہ کلیہ نہیں ہے، یہاں بہت سے ایسے حالات ہیں جس میں عورت کا حصہ مرد کے مثل ہے، یا عورت کا حصہ مرد سے زیادہ ہے، یا عورت میراث میں حصہ پاتی ہے اور مرد حصہ نہیں پاتا ہے۔

۶- یہودی مذہب میں عورت کی شہادت

اسلام نے معاملات میں ایک آدمی کی شہادت کو دو عورتوں کی شہادت کے برابر رکھا ہے اور یہ عورت کے مقام اور مرتبہ کو کم کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ اس لیے ہے کہ اس کی فطرت اس طرح کے معاملات سے اکثر دور رہتی ہے، اسی وجہ سے اس کی یادداشت مالی معاملات میں زیادہ کمزور واقع ہوئی ہے، قرآن پاک نے اس کی ایسی توجیہ کی ہے جس کو ہر عقلمند انسان قبول کرتا ہے: "أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ" [سورۃ البقرۃ: ۲۸۲] (کہ اگر ان میں سے ایک عورت بات بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلادے)۔

لیکن کیا علت ہے اس بات کی جس کو یہودی مذہب میں بیان کیا جاتا ہے کہ سو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے؟ یہاں اس کی کوئی علت موجود نہیں سوا اس کے کہ یہ ایک نظریہ ہے جس کے ذریعہ عورت کی تحقیر کی جاتی ہے، اور اس حقارت کی وجہ صرف اس کا عورت ہونا ہے۔

۷- یہودیوں میں عورت کی اجازت کے بغیر شادی کر دینا

یہودی عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، اس کے کوئی لڑکا بھی نہ ہو تو تورات کے مطابق شوہر کے بھائی پر یہ لازم ہوتا ہے کہ اس عورت سے دخول کرے اور اس کو اپنی بیوی بنالے۔

اسلام میں عورت پر ایسی کوئی لازمی چیز نہیں رکھی گئی اور نہ مرد کو اس کی مرضی کے بغیر شادی کرنے کی اجازت ہے، اسلام نے عورت کو شوہر کے انتخاب میں آزاد رکھا ہے اور اس کی رضا شادی کی شرطوں میں سے ایک لازمی شرط ہے، چاہے وہ کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو، اگر آدمی اپنی لڑکی کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کر دیتا ہے تو اس کا نکاح باطل ہو جاتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ: "لا تنكح البكر حتى تستأذن ولا الثيب حتى تستأمر" [جامع بخاری: ۶۹۶۸]۔

۸- عورت کو شوہر کے ساتھ رہنے کے لیے اسکی ناپسندیدگی کے باوجود مجبور کرنا

تورات کے مطابق عورت شوہر سے طلاق کا مطالبہ نہیں کر سکتی، چاہے کتنے بھی اس کے اندر عیوب ہوں یا جتنی بھی اس سے عورت کو تکلیف پہنچ رہی ہو۔

یہاں اگر ہم دین اسلام پر نظر کریں گے تو دیکھیں گے کہ اسلام نے اس عورت کو اجازت دی ہے جو اپنے شوہر کو بعض اسباب کی بنیاد پر ناپسند کرے کہ مثلاً اس کے ساتھ وہ بداخلاقی سے پیش آتا ہے یا وہ اپنی جسمانی کمزوری یا مال میں تنگی کی وجہ سے اس کے حقوق ادا نہیں کر پاتا اور بھی سے اسباب وعوارض ہیں اور بہت سے راستے ہیں جن کے ذریعہ عورت ایسی ناکام ازدواجی زندگی سے خلاصی حاصل کر سکتی ہے، جیسے خلع ہے، جس میں وہ اپنا معاملہ دارالقضاء میں لے جا کر حل کرا سکتی ہے، جہاں قاضی دفع ضرر کے لیے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کر دیتے ہیں، یا بوقت نکاح عقد میں شرط رکھ دی جاتی ہے کہ عورت کو طلاق لینے کا اختیار ہوگا، بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔ یہاں اور بہت سی تفصیلات ہیں طوالت کے خوف سے راقم اسے قلم انداز کرتا ہے۔

اس فلم اسٹار خاتون نے اپنے لیے دین تبدیل کر کے کتنا گھٹیا اور برا فیصلہ کیا ہے، بلکہ اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ کو اختیار کیا، حتی کہ لوگوں کے سامنے اس خاتون کی کج فہمی اور خیالات کی خرابی منکشف ہو گئی اور بڑا ذلت آمیز خاتمہ ہر اس شخص کا منتظر بھی ہے جو اللہ کے اس دین سے پھر جائے جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا ہے اس کے علاوہ کسی دین کو پسند نہیں فرمایا: "وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ" [سورۃ آل عمران: ۸۵] (اور جو کوئی بھی اسلام کو چھوڑ کوئی دوسرا دین چاہے گا تو ہرگز اس کا یہ عمل قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا)۔

اور یہ بڑا خوفناک منظر ہوگا جو زمین پر ان کی دنیاوی زندگی کے خاتمہ اور آخرت کی زندگی کی شروعات کا منتظر ہے: "إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَى لَهُمْ، ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ.....

.....بقیہ صفحہ ۳۲ پر

تعارف وتبصرہ

اقوالِ سلف (۱-۱۱) - ایک مطالعہ

مؤلفہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی زید مجدہم

محمود حسن حسنی ندوی

بزرگانِ دین وملت کے ملفوظات ومجالس قلمبند کرنے کا سلسلہ ایک قدیم بات ہے، اس کا اہتمام ملت کا درد رکھنے والے لوگ شروع سے کرتے رہے ہیں، اس کی اصل مجالسِ نبوی ہیں، اللہ تعالیٰ نے جماعتِ صحابہ کو یہ صلاحیت و استعداد کامل طور پر بخشی تھی، اور انہوں نے اپنے محبوب نبی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے کسی لفظ کو ضائع نہیں ہونے دیا، اور اس کو سینہ میں محفوظ کرکے عام کیا، پھر تحریر میں اس ذخیرۂ الفاظ کو حیاتِ جاودانی بخشی۔

زمانہ جیسے جیسے گذرتا گیا، اس کے تقاضہ اور ضروریات بھی بدلتی رہیں، جس کے نتیجہ میں اپنے اپنے طور پر زمانہ کو حکمائے اسلام وعلمائے عارفین کی ضرورت ہوئی، اللہ عز وجل نے ان سے منسلک لوگوں کو ان کی حکیمانہ و عارفانہ باتوں کو محفوظ کرنے کا جذبہ دیا، اور اس کی اشاعت کی توفیق بخشی، بزرگوں کے ملفوظات میں ایک خاص قسم کی تاثیر، ان کے ایمان ویقین کی قوت اور اپنے رب سے تعلق ووارفتگی اور کمالِ اخلاص وللّٰہیت کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے، یہ وہ چیز ہے جو دلوں کو حرارت بخش کر مردہ دلوں میں زندگی پیدا کردیتی ہے، اور غیر شعوری طور پر زندگی اور معاشرہ میں ایک انقلاب برپا کرتی ہے؛ چوں کہ ملفوظات میں بے ساختگی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے، اور سیدھی سادی وصاف ستھری باتیں ہوتی ہیں، اس لیے اس سے صاحبِ اقوال و ملفوظات کی شخصیت، خد و خال صاف صاف ظاہر ہوتے ہیں، اور صحیح تصویر سامنے آجاتی ہے۔

'ساعتے با اولیاء'، 'صحبتے با اولیاء' اور 'صحبتے با اہلِ دل' کے نام سے کسی ایک شخصیت کے ملفوظات واقوال کتابی صورت میں سامنے آئے تو اہلِ علم و ادب اور طالبانِ سلوک ومعرفت کی طرف سے بڑی قدر افزائی ہوئی، 'صراطِ مستقیم' از حضرت سید احمد شہید، 'امداد المشتاق' از حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو بھی برصغیر میں بڑی مقبولیت ملی، رابطۂ ادبِ اسلامی نے اپنے ایک سالانہ مذاکرۂ علمی کا عنوان یہی مواعظ اور ملفوظات رکھا، جو حیدرآباد میں دار العلوم سبیل السلام میں ۱۹۹۶ء میں منعقد ہوا، جس میں عرب علماء وافاضل نے بھی شرکت کی، اور حضرت حسن بصریؒ، امام شافعیؒ سے لے کر تمام ادوار کا جائزہ الگ الگ مقالات وبحوث میں لیا گیا، تو ادب اسلامی کی صنف میں یہ صنف نمایاں صنف کے طور پر ظاہر ہوئی، مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے زیرِ صدارت اس عالمی سیمینار کا انعقاد ہوا تھا۔

حضرت مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی زید مجدہم نے انبیاء کرام علیہم السلام، رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، حضراتِ تابعین وتبعِ تابعین، ائمۂ اربعہ، محدثینِ عظام، فقہائے امت، صوفیاء وزہاد، اہلِ طریقت، مجددین، مصلحین امت، داعیانِ الی اللہ، مزکینِ نفوس، مربینِ ومعلمینِ اخلاق کو ان کے دور کے اعتبار سے تقسیم کرکے عہدِ حاضر کی ان شخصیات تک پہونچادیا ہے، جو علم وعشق کی جامعیت، للّٰہیت، ربانیت کی حامل تھیں، اور اس میں انہوں نے خواتینِ اسلام کا بھی حصہ لکھا ہے۔

۱۹۹۲-۱۹۹۳ء تک اس کی کم ضخامت کی صرف چار جلدیں آئی تھیں، مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، یادگار سلف حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڈھیؒ کی سیرت واقوال کے لیے اپنے ایک مضمون میں جو 'پرانے چراغ' حصہ سوم میں شامل ہے، اس کی ایک چوتھی جلد کا حوالہ دیا تھا، پھر کچھ عرصہ کے بعد پانچواں اور چھٹا حصہ ایک مجلد میں آیا تو بڑی خوشگوار حیرت ہوئی، اس میں مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ فتحپوریؒ کی دو صاحبزادیوں، جن کا ان کی حیات میں انتقال ہوگیا تھا اور خاندانِ علم الٰہی رائے بریلی کی خواتین خیر النساء بہتر مرحومہ، امۃ اللہ تسنیم مرحومہ، محترمہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ (وفات: ۱۹۹۶ء) ہمشیرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ملفوظات بھی تھے۔ ۲۰۰۷ء میں ساتواں حصہ بھی آگیا، جس میں از راہِ شفقت ومہربانی راقم کی والدہ مرحومہ سیدہ امامہ حسنی (وفات ۱۹؍ستمبر ۲۰۰۵ء) کے بھی ملفوظات تھے، اور یہ جلد محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال وملفوظات پر ختم تھی، جن کا ۱۸؍مئی ۲۰۰۵ء میں سانحۂ ارتحال پیش آیا تھا، اور ان سے مکاتبت کا وہ نمونہ بھی تھا جو مرشد ومسترشد کے درمیان ہوتی ہے، لگتا تھا یہ سلسلہ اب یہیں پر رُک جائے گا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (وفات: ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء) کا بھی تذکرہ مع اقوال وملفوظات تھا۔

پھر حضرت مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی زید مجدہم نے اس سلسلہ کا بہت پہلے جا کر جائزہ لینا شروع کیا، اور ہر دور کی شخصیات میں اور ان کے اقوال و ملفوظات میں خاطر خواہ اضافہ کیا، تو یہ سلسلہ مآثر الانبیاء و الصدیقین و آثار الشہداء الصالحین کے نام سے ملقب بہ اقوالِ سلف ۸؍ضخیم جلدوں میں پہونچ گیا، اور کام جاری رہا، اب اس نے ۱۱؍ضخیم جلدیں اختیار کر کے اس صنف ادب و عرفان کی دائرۃ المعارف کی حیثیت اختیار کر لی، مجھے خرید کر پڑھنے کا اشتیاق بڑھا، حضرت مولانا کے صاحبزادے برادرم مولانا عبید اللہ قمر الزماں ندوی کو فون کیا، انہوں نے پورا سیٹ ہدیۃً ارسال کر دیا، حالانکہ اس کی قیمت دو ہزار روپے کے قریب بعد رعایت ہو رہی تھی، اور کیوں نہ ہو کہ ۱۱؍ضخیم جلدیں ہی۔ انگریزی زبان میں بھی اس کا ترجمہ جنوبی افریقہ میں ہوا ہے جو چھپ کر مقبول ہو رہا ہے۔ ایک خاص امتیاز اس کتاب کا یہ بھی ہے کہ جگہ جگہ فائدہ کے عنوان سے افادات سے نوازا جاتا رہتا ہے۔

جہاں تک ہر حصہ کی خصوصیت کا تعلق ہے، وہ راقم کی نظر میں اس طرح ہے:

حصہ اول: سب سے پہلے سیرت پاک سید البشر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، سید المرسلین بھی ہیں، سید البشر بھی، خاتم الانبیاء بھی، حبیبِ رب العالمین بھی۔ آپؐ کی عظمت کا بھی یہ تقاضہ تھا اور محبت کا بھی۔ جب کہ تیمناً کتاب کا آغاز آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ مبارک دو تین صفحات میں کر کے اور انبیاء و رسولوں کا تذکرہ کیا ہے، پھر خاتم النبیین کے صفحہ ۱۰۴ تا ۱۹۲ آپؐ کی سیرت کے مختلف گوشوں کو بڑی جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے، پھر رئیس الصدیقین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بقیہ خلفائے راشدین کے فضائل و مناقب کے بعد حضرات عشرۂ مبشرہ کا عطر بیز تذکرہ ہے، پھر مہاجرین و انصار کے سابقینِ اولین اور دوسرے کبار و صغار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضراتِ حسنین (سیدنا حسن السبط الاکبر و سیدنا حسین السبط الاصغر رضی اللہ عنہما) کے والہانہ تذکرہ ہے۔ بات یہیں نہیں رکتی، ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات کے ذکر کے بعد ان کے اجمالی فضائل کا ذکر ہے، پھر بیس صحابیات کو لیا ہے، جن میں امہات المؤمنین اور بعض دیگر صحابیات ہیں۔ صحابہ و صحابیات کا تذکرہ ہو، کیسے تابعین رہ جاتے، وہ ان سے مل کر چلتے ہیں، یہ اگر صحابہ و صحابیات سے دین اپنے سینوں میں محفوظ نہ کرتے کیسے علوم شرعیہ تفسیر و حدیث و فقہ و سیرت مدوّن ہوتے۔ ائمۂ اربعہ بلکہ ثمانیہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام لیث بن سعد، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام ابو یوسف، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) ۳۹؍تابعین کا تذکرہ صفحہ ۴۷۷ سے صفحہ ۶۰۵ تک ۱۲۸ صفحات پر محیط ہے۔

مقدمات و تقریظات میں حضرت مؤلف زید مجدہ کا پیش لفظ اہم مرجع و مصدر شیخ عبد الوہاب شعرانی کی طبقات کو واضح کرتا ہے، اور پھر جو مراجع و مصادر و مآخذ سامنے آتے رہے اس کا خصوصی اہتمام ہے کہ کتاب کے آخر میں ان کی فہرست دے دی، مستند حوالوں کا مکمل اہتمام ہے اور جن سے جو بات لی اس کا ذکر ہے۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڈھی، مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی اور مولانا محمد برہان الدین سنبھلیؒ کی بڑی جامع اور بصیرت افروز تقریظات ہیں۔

حصہ دوم: اس حصہ کا آغاز سیدنا عمر بن عبد العزیز اموی کے عطر بیز تذکرہ سے جنہیں امت نے ان کا مثالی ذاتی و حکومتی کردار کی وجہ سے خلیفہ راشد شمار کیا ہے کہ انہوں نے خلفائے راشدین کے نقشِ قدم پر چل کر حیرت انگیز مثال قائم کی تھی، وہ بھی تابعی جلیل ہیں، ۶۲؍تابعین اور گیارہ تابعات کے مزید تذکرہ کے ساتھ حضرات تبعِ تابعین کا مبارک سلسلہ شروع کر کے جس کا آغاز صفحہ ۲۰۲؍سے ہے، محدث جلیل حضرت یحیی بن معین پر ہے، صفحہ ۳۷۰؍پر ختم کیا ہے۔ پھر کبارِ اولیاء اللہ، عارفین و زہاد و عباد کو لیا ہے، جیسے حضرت معروف کرخی، حضرت حارث محاسبی، حضرت سری سقطی، حضرت بشر حافی، حضرت خیر نساج، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت بایزید بسطامی، حضرت جنید بغدادی، حضرت ابوبکر شبلی وغیرہ، محدثین کبار میں اصحابِ صحاحِ ستہ اور خلفاء میں خلیفہ عباسی ہارون رشید کو کہ وہ ایک حاکم ہی نہ تھے، عدل پرور، عبادت گزار بھی تھے۔ یہ ۹۹؍حضرات ہیں، اور کتاب کے صفحات ۶۷۱؍ہیں، آخر میں مراجع و مآخذ کی فہرست اور حوالوں کا مستند و مکمل اہتمام۔

حصہ سوم: پیش نظر جلد کا آغاز شیخ ابو علی دقاق متوفی ۴۰۵ھ سے لے کر شیخ ابو العباس احمد الملم متوفی ۶۰۰ھ تک صاحب سلسلہ مشائخ و عارفین کا روح پرور تذکرہ ہے۔ صفحہ ۳۳۳؍سے امام فخر الدین رازیؒ اور اس عہد کے کبار شیوخ و بانیان سلاسل جیسے حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت بختیار کعکی، حضرت نجم الدین کبری، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اکبر ابن العربی، امام ابو الحسن شاذلی (جن کا سلسلہ شاذلیہ مصر و لیبیا، تیونس، الجزائر وغیرہ میں عام ہے اور ان کی حزب البحر اپنی قوتِ تاثیر میں اپنی مثال آپ ہے اور امام

حسن البنا شہید بانی اخوان المسلمون کا تعلق اسی سلسلہ سے تھا) شیخ زین الدین گنج شکر، شیخ علی صابر پیران کلیر، مولانائے روم، محدثین وفقہاء میں امام نووی، شیخ الاسلام عز الدین عبد السلام کا تذکرہ، شیخ سعدی شیرازی تک ہے، صفحہ ۴۸۶ سے آٹھویں صدی ہجری کے مشائخ، ائمہ، علماء وفقہاء، محدثین واولیاء وعارفین کا تذکرہ ہے، جن میں امام ذہبی صاحب سیر أعلام النبلاء وتذکرۃ الحفاظ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور ان کے مشہور خلفاء، شیخ بوعلی قلندر پانی پتی، حضرت بابا سماسی ہیں، اور کتاب کا اختتام بلکہ مسک ختام حضرت چراغ دہلوی متوفی ۷۵۷ھ پر ہے، آخر میں مصادر ومراجع کی فہرست، کل صفحات ۶۰۶ ہیں۔

حصہ چہارم: ۶۶۴ صفحات پر محیط ہے، اور یہاں اقوالِ سلف کا سلسلہ پورے ہزار سال کے مجددین ومصلحین، علمائے ربانیین، اور ان شخصیات کے تذکرہ پر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کسی عظیم کام کے لیے منتخب کیا، آٹھویں صدی ہجری کے بقیہ علماء ومشائخ اور نویں صدی ودسویں صدی ہجرت کی شخصیات کی مجالس وصحبت میں یہ جلد پہونچاتی اور فیض یاب کرتی ہے، یہ ۱۵۷؍ حضرات ہیں، مولانا جامی، متقی علی متقی صاحبِ کنز العمال، شیخ وجیہ الدین گجراتی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، شیخ عبد الوہاب شعرانی صاحب طبقات الکبری، شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی، شیخ الشیوخ شاہ عبد القدوس گنگوہی، خواجہ عبید اللہ احرار، امام سخاوی، امام سیوطی، امام ابن حجر، شیخ عبد الحق ردولوی، حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی، شیخ محمد مینا لکھنوی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم، حضرت مخدوم جہاں نیاں جہاں گشت اور امام ابن کثیر کے ساتھ ان سلاطین وامراء نے بھی جگہ پائی ہے جو امتیازی شان کے حامل تھے، جیسے مظفر محمود گجراتی، ابراہیم شرقی، شیر شاہ سوری وغیرہ۔ شیخ عبد الوہاب شعرانی کا تذکرہ ذرا تفصیلی ہے، ان کے مشہور اساتذہ وتلامذہ و مسترشدین کے بھی احوال وآثار ہیں، کیوں نہ ہو ان کی ہی کتاب طبقات الکبری نے اس دائرۃ المعارف کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔

حصہ پنجم: اس جلد کا آغاز باقی باللہ حضرت خواجہ عبد الباقی نقشبندی کے روح پرور تذکرہ سے جو سرحلقۂ سلسلۂ مجددیہ ہیں، حضرت مجدد الفِ ثانی حالانکہ ان کے ہم سن تھے، مگر سلسلۂ نقشبندیہ کا فیض ان سے حاصل کیا، کہ وہ ماوراء النہر جا کر اس کی برکات اور انوار ونسبت عالیہ لے کر دہلی آئے تھے، سرہند کے سالک نے دہلی آکر وہ نسبت حاصل کی اور اس شجرۂ طوبی کی ایسی آبیاری کی کہ اس کی پھل دار شاخیں چار دانگِ عالم میں پھیل گئیں، حضرت مجدد الفِ ثانی اور ان کے سلسلہ کا امتداد اس کے شیوخ سلسلۂ احسنیہ آدمیہ، سلسلۂ معصومیہ کے مشائخ کے علاوہ کبار علماء و محدثین میں حضرت ملا علی قاری شارح مشکوۃ و صاحب حزب الاعظم، حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی، گجرات، بیجاپور، پنجاب، بہار، بنگالہ کے علماء ومشائخ شلطانِ ہند شاہ جہاں واورنگ زیب عالم گیر، ان کے عہد کے مشائخ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی (۱۰۳۳ھ- ۱۰۹۶ھ) وغیرہ کے بڑے مؤثر احوال اور جو کچھ افادات ملے ہیں، ان کا دل آویز تذکرہ ہے۔ ۵۹۰ صفحات پر ۱۰۳ شخصیات پر محیط ہے۔

حصہ ششم: خاندانِ ولی اللہی کو بارہویں صدی ہجری میں تجدیدی واصلاحی کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے چُنا، والد، چچا، بھائی اور پھر خود ان کی شخصیت جو آفتاب علم ومعرفت تھی اور جن کے ہاتھ میں لواء تجدید تھا، امت نے حکیم الاسلام لقب دیا، ان حضرات کے حالات واقوال شاہ صاحب کے خلفاء اور خاندان علم اللہی رائے بریلی کئی مقتدر شخصیات کے علاوہ سلسلۂ مجددیہ معصومیہ کے گلِ سرسبد حضرت مرزا مظہر جانِ جان دہلویؒ اور باہر کی شخصیات میں شیخ طاہر کردی اور مرزا محمد زاہد افغانستان کے نام کے ساتھ کچھ سلاطین ہند بھی نظر آئیں گے، اور بہادر شاہ ظفر آخری شخصیت ۔ اس طرح ۹۵ ؍لوگوں کے حالات پر مشتمل ۵۹۰؍صفحات کی یہ کتاب بن گئی ہے، جس کا ابتدائیہ حضرت مؤلف مدظلہم کے ہی قلم سے ۲۷؍صفحات پر مشتمل ہے۔

حصہ ہفتم: حصہ ہفتم پر یہ اقوال سلف مکمل ہوگیا تھا، پھر اس میں اہم اضافات کیے گئے، اور حصہ ہفتم جس میں ۲۰۰۵ء تک وفات پانے والی شخصیات آگئی تھیں۔ بارہویں صدی ہجری کے علمائے ربانیین، معلمین اخلاق، مربینِ نفوس، مجاہدین فی سبیل اللہ، عارفین باللہ، محدثین اور اس صدی کے ممتاز اولیاء کے احوال کا گنجینہ بن گئی۔ سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز، حضرت سید احمد شہید، حضرت شاہ اسماعیل شہید، حضرت شاہ غلام علی دہلوی، شاہ محمد اسحاق، مفتی الہی بخش کاندھلوی، یمن کی شخصیت امام شوکانی، شام کے علامہ ابن عابدین، عراق کے شیخ خالد کردی، اور سلاطین وامراء میں حضرت سلطان ٹیپو شہید، اور آخر میں اس صدی کے خاتم الاولیاء حضرت شاہ سید عبد السلام حسینی ہنسوی (م: ۱۲۹۹ء) کا تذکرہ ہے، اکیاسی شخصیات کا یہ تذکرہ ۶۴۰؍صفحات پر مشتمل ہے، حجۃ الاسلام امام محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند کے تذکرہ سے

بھی اس کتاب کو زینت بخشی گئی ہے۔

حصہ ششم: تیرہویں صدی کے بعد چودھویں صدی کا نمبر آتا ہے، مگر کتاب کی ضخامت نے یہ اجازت دی کہ مکمل صدی کے اعیان واعلام کا احاطہ ہو کہ اس میں صرف برصغیر کے علماء وشخصیات نہیں ہیں؛ دوسرے ممالک کے حضرات کو بھی جگہ دی گئی، دیوبند میں دار العلوم قائم ہوا، سہارن پور میں مظاہر علوم اور لکھنؤ میں ندوۃ العلماء، ان کے اکابر اور نامور فضلاء نے بھی اپنا مقام پایا ہے، تب بھی چھ سو صفحات پر یہ جلد محیط ہے، اویس زمانہ حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے آغاز ہے، سید الطائفہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے ممتاز خلفاء، حضرت گنگوہی، حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مونگیری، حضرت سہارن پوری، خاندانِ فرنگی محل، خاندانِ علم اللہی برائے بریلی کی شخصیات کے علاوہ امام سنوسی (لیبیا) ابن بادیس، عبد الرحمٰن کواکبی اور علامہ رشید رضا مصری جیسے نامی گرامی اشخاص کے بھی احوال و اقوال ہیں۔ ۸۲/شخصیات ہیں۔

حصہ نہم: پیشِ نظر جلد کا آغاز تیمناً و تبرکات مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ہے، اور اختتام علامہ سید قطب شہید مصری پر ہے۔ یہ حضرت مصنف کی وسیع النظری اور فراخدلی کی بات ہے، ترکی نمائندگی امام بدیع الزماں سعید نورسی سے کرائی گئی ہے، ندوۃ العلماء کی نمائندگی ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی اور علامہ سید سلیمان ندوی، شام کی نمائندگی شیخ بدر الدین حسنی دمشقی، اور اخوان المسلمین کی نمائندگی امام حسن البنا شہید کرتے نظر آئیں گے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی، امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد تحریکِ آزادی کے وہ علم بردار تھے کہ ملتِ اسلامیہ ہند یہ انہیں کبھی فراموش نہیں کرسکتی، یہاں کیسے فراموش ہوتے۔ ۶۴۸ صفحات کی یہ جلد ۸۴/ شخصیات کے احوال وآثار کو بیان کرتی ہے۔

حصہ دہم: پیش نظر جلد بھی چودھویں صدی ہجری کی شخصیات سے فیض یاب ہے، مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ کا ذکر مبارک اس جلد بڑی خصوصیت ہے کہ وہ مصنف مدظلہ کے شیخ، مربی، استاد اول اور خسر ہونے کے ساتھ سب کچھ تھے، اور یہ صدی ایسی مردم خیز رہی کہ ضخیم جلدیں اس کے لیے ناکافی ہوتیں۔

حصہ یازدہم: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے لے کر حضرت پرتا بگڈھی، حضرت جلال آبادی، حضرت عارفی، حضرت محی السنۃ ہردوئی، شیخ سعید پالن پوری محدث دار العلوم دیوبند، خاندانِ علم اللہی رائے بریلی کے حضرت مفکر اسلام اور مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ اور مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ، مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ اور اختتام بلکہ مسک ختام خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی کا عطر بیز روح پرور تذکرہ ہے۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا تذکرہ کتاب کی روح کو لیے ہوئے ہے، یہ جلد سامنے آئی ہے کہ ہمارے اسلاف کے کئی اہم نامور وگرامی منزلت بھی اسلاف کی صف میں چلے گئے، کیوں نہ اثنا عشر شہراً کی بات پوری ہوجائے، غالباً ایک جلد خواتینِ اسلام کے ساتھ بھی خاص ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کی برکات سے امت کو خوب فیض کرے، اور مکمل قدر کی توفیق دے کہ وہی ولی التوفیق ہے۔

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۲۸/ کا

سَنُطِيعُكُم فِي بَعضِ الاَمرِ وَ اللّٰهُ يَعلَمُ اِسرَارَهُم، فَكَيفَ اِذَا تَوَفَّتهُمُ المَلٰٓئِكَةُ يَضرِبُونَ وُجُوهَهُم وَ اَدبَارَهُم، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا اَسخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوا رِضوَانَهٗ فَاَحبَطَ اَعمَالَهُم" (جولوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے بعد اس کے کہ سیدھا رستہ ان کو صاف معلوم ہوگیا شیطان نے انکو چکما دیا ہے اور ان کو دور دور کی سوجھائی ہے، یہ اس سبب سے ہوا کہ لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے خفیہ باتیں کرنے کو خوب جانتا ہے، سو ان کا کیا حال ہوگا جبکہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے اور ان کے چہروں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے، یہ اس سبب سے کہ جو طریقہ خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی رضا سے نفرت کی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اعمال کالعدم کردیے)۔

یہ موت کے وقت ہے اور پھر آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام مقرر کررکھا ہے: "وَ مَن يَّرتَدِد مِنكُم عَن دِينِهٖ فَيَمُت وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَت اَعمَالُهُم فِي الدُّنيَا وَ الاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصحٰبُ النَّارِ هُم فِيهَا خٰلِدُونَ" [سورۃ بقرہ: ۲۱۷] (اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہوجاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں۔ (اور) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے)۔

(ترجمانی: محمد سلمان ندوی بجنوری)

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: عازمین حج کو چھوڑنے ان کے رشتہ دار اور احباب اسٹیشنوں اور حج ہاؤس تک جاتے ہیں، اسی طرح واپسی میں استقبال کے لیے ایئرپورٹ تک آتے ہیں، ان میں مرد وعورت سب ہوتے ہیں، کیا شرعی نقطۂ نظر سے یہ درست ہے؟

جواب: حجاج کرام کو چھوڑنے کے لیے اسٹیشنوں یا حج کمیٹیوں تک جانا از روئے شرع درست ہے بلکہ باعث ثواب ہے، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں حضرت حسنؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حاجی حج کے لیے روانہ ہوں تو تم ان کو وداع (چھوڑنے) کے لیے جاؤ اور دعاء خیر کے لیے ان سے درخواست کرو اور جب حج سے واپس آجائیں تو ان سے ملو اور مصافحہ کرو قبل اس کے کہ وہ دنیا کے کاموں میں لگ کر گناہوں میں مبتلا ہوجائیں، بلاشبہ ان کے ہاتھوں میں برکت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعاء میں فرمایا: "اللّٰھم اغفر للحجاج ولمن استغفرله الحجاج" (اے اللہ تو حاجیوں اور ان لوگوں کی مغفرت فرما جن کے لیے حاجی تجھ سے مغفرت کی درخواست کریں)۔

البتہ عورتوں کا گھروں سے نکل کر اسٹیشنوں یا ایئرپورٹ تک جانا مناسب نہیں، علماء نے اس کو منکرات میں شامل کیا ہے، اور شوہر کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو باہر نکلنے سے اس طرح کے مواقع سے بھی روکیں۔ [مجالس الابرار، ص: ۱۴۵]

سوال: ایک بیمار شخص نے اپنا حج فرض اپنے ایک دوست سے حج بدل کے طور پر کرایا، ان کو یہ اندازہ تھا کہ اب میرا جانا ممکن نہیں، اللہ کے فضل سے دو تین سال کے علاج کے بعد اب وہ تندرست ہوگئے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کا حج ہوگیا یا ذمہ میں باقی ہے؟

جواب: حج بدل کے شرائط میں یہ ہے کہ عذر تاحیات باقی ہو، اب جب کہ یہ تندرست ہوگئے ہیں تو خود حج کرنا بشرطیکہ اخراجات برداشت کرسکتے ہوں لازم ہے، حج بدل ان کے لیے کافی نہیں رہا، البتہ اس کا ثواب ان کو یقیناً ملے گا۔

[ردالمحتار: ج۲/ص ۲۳۸]

سوال: کیا عورت حج بدل میں جاسکتی ہے؟ ایک عورت اپنی ماں کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتی ہے، کیا اس کی گنجائش ہے؟

جواب: شوہر یا کوئی محرم ساتھ میں ہو تو عورت بھی حج بدل میں جاسکتی ہے، لیکن مرد کو حج بدل میں بھیجنا زیادہ بہتر ہے۔ [ردالمحتار: ج۲/ص ۲۴۱]

سوال: کیا حج بدل میں جانے والا اپنے گھر کا خرچ اور ان ایام میں اس کی تجارت یا تنخواہ میں جو نقصان ہوا ہے اس کو حج بدل کرانے والے سے لے سکتا ہے؟

جواب: حج بدل کرانے والے سے گھر کا خرچ یا تجارت وتنخواہ کے نقصان کی تلافی کے لیے رقم لینا جائز نہیں ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ حج بدل پر اجرت لینا اور دینا جائز نہیں ہے۔

[الدرالمختار: ج۱/ص ۱۸۱]

سوال: کیا حج بدل میں ایسے شخص کو بھیجا جاسکتا ہے جس نے اپنا حج نہ کیا ہو تو کیا حج بدل ادا ہوجائے گا؟

جواب: حج بدل میں اس شخص کو بھی بھیجا جاسکتا ہے جس نے اپنا حج نہ کیا ہو، البتہ ایسے شخص کو بھیجنا افضل ہے جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہو، فتاویٰ ہندیہ میں صراحت موجود ہے: "لو أحج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الاسلام يجوز عندنا و سقط الحج عنه [فتاوی ہندیہ: ج۱/ص ۲۵۷] (اگر کسی نے ایسے شخص سے حج بدل کرایا جس نے اپنا حج فرض ادا نہ کیا ہو تو احناف کے یہاں یہ جائز ہے اور حج کرانے والے کے ذمہ سے فرض ادا ہوجائے گا)۔

سوال: جس نے اپنا حج فرض ادا نہیں کیا ہے اور نہ وہ اس کی استطاعت رکھتا ہے لیکن حج بدل میں جانے کی وجہ سے کعبہ پر نظر پڑنے سے اس پر کیا حج فرض ہوجاتا ہے؟

جواب: بعض علماء کا فتویٰ تو یہی ہے کہ خانہ کعبہ پر نظر پڑنے کے بعد ایسے شخص پر حج فرض ہوجاتا ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ جس کو حج کی استطاعت نہیں ہے خانہ کعبہ پر نظر پڑنے اور دوسرے کی طرف سے حج کرنے کی وجہ سے اس پر اس سال حج فرض نہیں ہوجاتا ہے، بلکہ آئندہ اگر اس کو استطاعت ہوئی تب حج فرض ہوگا۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: ''میرا خیال ہے کہ غیر مستطیع اگر مکہ داخل ہوجائے تو اس پر حج واجب نہیں ہوگا۔ [ردالمحتار: ج۲/ص ۲۴۱]

سوال: احرام کی چادر جو حج اور عمرہ میں استعمال ہوتی ہے، اس کو عام استعمال میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: حج اور عمرہ کے بعد اس کی چادر عام استعمال میں لائی جاسکتی ہے، اس کے ممنوع ہونے کی کوئی شرعی وجہ نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ ۱۰؍جون ۲۰۲۲ء

Date 10th June 2022

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی وتعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ندوہ کیمپس سے متصل محلّہ مکارم نگر میں مزید اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

جدید اسٹاف کوارٹرس کی زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹؍فیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ-/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(پروفیسر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 7275265518

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

تعمیرات

A/c. No. 1086 3759 733

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا